بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عیدالضحیٰ

جناب پرویز کی وہ تقریر جو نشرگاہِ دہلی سے 29 دسمبر 1941ء کی شام کو نشر ہوئی۔ (طلوع اسلام)

مذہب کے متعلق عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ وہ ایک فرد کی ذاتی اصلاح کا ذریعہ ہے اس میں شبہ نہیں کہ افراد کی ذاتی اصلاح نہایت ضروری ہے لیکن یہ اصلاح اصل مقصد نہیں۔ عمدہ گھڑی کے ہر پرزہ کے لئے مضبوط اور درست ہونا ضروری ہے' لیکن اگر یہ پرزے الگ تھلگ پڑے ہوں تو ان کی پائیداری اور مضبوطی کسی کام کی نہیں۔ یہی پرزے جب ایک نظام کے تحت' ایک خاص ترتیب سے' ایک جگہ جمع کر دیئے جائیں تو ان میں سے ہر پرزہ کی حرکت' دوسرے پرزوں پر اثر انداز ہوگی اور اس طرح ان کی اس مجموعی حرکت کا جیتا جاگتا نتیجہ' محسوس شکل میں' گھڑی کے ڈائل پر نمودار ہو جائے گا۔ اسلام افراد کی اصلاح سے ایک ایسی جماعت پیدا کرنا چاہتا ہے جو نظامِ انسانیت کو عدل پر چلا سکے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے ایک ایسا عملی پروگرام مرتب کر دیا ہے جس میں ہر قدم اسی منزل کی طرف اٹھتا ہے۔ نماز کے لئے پانچ وقت کا اجتماع۔ تقویٰ۔ ضبطِ نفس۔ غیر اللہ کی محکومی سے انکار۔ اللہ کی حاکمیت کا اقرار۔ مرکزیت۔ اجتماعیت۔ اطاعتِ امام کا عملی مظاہرہ ہے۔ جمعہ کے اجتماع میں یہ دائرہ وسیع تر ہو جاتا ہے۔ عید کی تقریب پر اس کی حدود اور زیادہ پھیل جاتی ہیں اور بالآخر حج کے میدان میں اس کی وسعتیں ساری دنیا کو اپنے اندر سمیٹ لیتی ہیں۔ رمضانِ مبارک کے پورے مہینے کی مشق و ریاضت کے بعد جب ذہنوں میں جلا۔ دلوں میں تازگیٔ ایمان' نگاہوں میں مومنانہ فراست اور خون میں مجاہدانہ حرارت پیدا ہو گئی تو عیدالفطر کے اجتماع میں ہر مقام سے ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی کے لئے بہترین افراد کا انتخاب ہوا۔ مسلم نمائندوں کے یہ قافلے دنیا کے دور دراز گوشوں سے جنگل' بیابان کوہ اور دریا کے مرحلوں کو طے کرتے ہوئے۔ **مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ** اپنی بین المملی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے چاروں طرف سے ایک مرکز کی طرف سمٹے چلے آ رہے ہیں۔ دنیا میں کوئی جماعت بلا مرکز قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کے فکر و نظر کا مرکز قرآن۔ اطاعت کا مرکز امیر اور اجتماعیت کا مرکز وہ بیت الحرام ہے جو ایک خدا کے ماننے والوں کے مورثِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں سے وجود میں آیا اور دنیا کے بتکدوں

میں خدا کا پہلا گھر کہلایا۔ **ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبرکا وھدیً للعٰلمین** o(۳/۹۵) بلاشبہ پہلا گھر جو تمام انسانوں کے لئے (بطور مرکز) بنایا گیا ہے وہ یہی ہے جو مکہ میں ہے۔ برکت والا اور تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ **ومن دخلہ کان امنا** o جو کوئی اس کے حدود میں داخل ہوا وہ امن اور حفاظت میں آ گیا۔

اسلام دنیا میں جس نظام کو قائم کرنے کے لئے آیا ہے اس کی بنا اس اصول پر ہے کہ تمام انسان ایک برادری کے فرد ہیں وہ ان تمام غیر فطری حد بندیوں کو توڑنے کے لئے آیا ہے۔ جن سے انسانوں کی یہ برادری مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ نسل کا امتیاز۔ رنگ اور زبان کا امتیاز۔۔ جغرافیائی حدود کا امتیاز اس کے نزدیک سب غیر فطری حد بندیاں ہیں۔ اس لئے خدا کے اس گھر میں جب انسان جمع ہوں گے تو باطل کے ان امتیازات میں سے کوئی امتیاز باقی نہیں رہے گا۔ چینی۔ جاپانی۔ ہندی۔ افغانی۔ ایرانی۔ تورانی۔ حبشی۔ افرنگی سب ایک ملت کی شکل میں اس عظیم الشان حقیقت کا اعلان کرنے کے لئے جمع ہوں گے کہ

تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

یہی نہیں بلکہ۔ مختلف قسم کے لباسوں سے جو اعلیٰ اور ادنیٰ کے امتیاز کی جھلک نمودار ہو سکتی ہے اسلام نے اسے بھی روا نہیں رکھا اور حکم دے دیا کہ ارضِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے سب ایک ایک بن سلی چادر میں لپٹے ہوئے حاضر ہوں۔ تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری۔ یہ ہے وہ وردی جو اسی بین الملی کانفرنس میں شرکت کرنے والوں کے لئے تجویز کی گئی ہے۔ یوں باطل کے ہر امتیاز کو مٹاتے، وحدت کے رنگ میں رنگے یہ قافلے چاروں طرف سے اپنے مرکز کی طرف بڑھتے چلے آ رہے ہیں۔ سب ایک آقا کے غلام، ایک حاکم کے محکوم، ایک قانون کے تابع، ایک نظام کے پابند، فقیرانہ لباس، ننگے سر، گدایانہ وضع، قلندرانہ ادائیں، سکندرانہ جلال۔ دنیا بھر کے آستانوں سے بے نیاز، مستانہ وار گذرتے ہوئے ایک کی چوکھٹ پر سر جھکانے کے لئے بے تاب۔ دل وفور شوق سے بے قرار، آنکھیں مئے توحید سے نشہ بار **لبیک اللھم لبیک** کہتے ہوئے یوں رواں دواں، جانب مرکز کھنچے چلے آ رہے ہیں جیسے شہد کی مکھیاں، رنگ و بو کی فضاؤں کے جوہر اپنے سینوں میں بھر کر سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے شام کے وقت اپنے چھتے کی طرف پروانہ وار اڑتی چلی آ رہی ہوں کہ اپنی محنتوں کا سرمایہ، تگ و دو کا ماحصل۔ مرکز میں لا کر اکھٹا کر دیا جائے۔

زمانۂ ابراہیمیؑ میں رواج تھا کہ عہد و پیمان کی پختگی کے لئے ایک پتھر پر ہاتھ مارتے تھے۔ جب ان رہروانِ منزلِ شوق کے قافلے۔ حریمِ کعبہ میں پہنچے تو اس عہد و پیمان کی تجدید کے لئے جو انہوں نے اپنے اللہ سے باندھ رکھا ہے۔ حجر اسود کو چُھوا۔ بعض نے ہجوم کی وجہ سے دور ہی سے اشارہ کر دیا۔ کسی نے پیمان کے تقدس کی رعایت سے ہاتھ کو چوم لیا اور یوں اس عہد کی تجدید ہوئی کہ **ان صلاتی و نسکی و محیای ومماتی للہ رب العٰلمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین** o میری نماز۔ میرا حج۔ میرا جینا۔ میرا مرنا

سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام کائنات کا پروردگار ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے اور میں خدا کے فرمانبرداروں میں سب سے پہلا فرمانبردار ہوں۔

اس عہد و پیمان کی تجدید سے' وجد و مسرت اور سرمستی و شیفتگی کی وہ کیفیت طاری ہوئی کہ والہانہ انداز میں خدا کے اس گھر کے گرد' پروانہ وار گھوم رہے ہیں۔ کوئی کعبہ کی چوکھٹ پر سر رکھے محوِ نیاز ہے' کوئی اس کا غلاف تھامے عالمِ وارفتگی میں جھولی پھیلائے کھڑا ہے۔ دل میں مقدس آرزوؤں کا ہجوم۔ آنکھوں میں چمکتے ہوئے آنسو۔ لب پر دعائیں۔ محویت کا عالم۔ آسمان سے نور کی بارش۔ رحمتوں کا نزول۔ غرضیکہ ایک نئی دنیا اور ایک عجیب سماں ہے۔

مخانۂ حجاز کے متوالوں کے یہ قافلے 8 تاریخ کو عرفات کے میدان کی طرف روانہ ہوگئے۔ پاک اور صاف' سر سے پاؤں تک للّٰہیت میں ڈوبے ہوئے۔ قدم وادیٔ مکہ میں۔ نگاہیں عرشِ معلیٰ پر' کوئی تیز گام کوئی آہستہ خرام۔ کشاں کشاں' 9 تاریخ کو اس میدان میں آ جمع ہوئے۔ کیسا حسین نظارہ ہے۔ سب ایک آقا کے غلام' ایک ملت کے فرد ایک ہی وضع' ایک ہی انداز' بھائی سے بھائی ملا۔ ایک کا دوسرے سے تعارف ہوا کہ اس مقام کا نام ہی عرفات کا میدان ہے' اجتماع کیا ہے؟ مساوات اور محبت کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے۔ جس میں ہر قطرہ' اپنے آپ کو خود سمندر محسوس کرتا ہے۔ یہ سب خدا کے حضور جمع ہوئے۔ ان کا منتخب امام منبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا۔ اس نے ملت کی اجتماعی حالت پر تبصرہ کیا اور سال بھر کے لئے ایک مرتب شدہ پروگرام کا اعلان کر دیا۔ جس کی تکمیل کے لئے دعائیں مانگی گئیں' التجائیں کی گئیں اور یوں یہ عظیم الشان اجتماع۔ زندہ آرزوؤں کی ایک نئی دنیا اپنے جلو میں لئے۔ دوسری صبح منیٰ کے میدان میں آ گیا۔ یہی وہ میدان ہے جہاں ملتِ حنفیہ کے پیشوائے اعظم۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو خدا کی راہ میں قربان کرنے کے لئے پیشانی کے بل لٹا دیا تھا اور یوں اپنے ایمان محکم کا عملی ثبوت دیا تھا کہ تیرا حکم ہو تو عزیز ترین متاع بھی بلا تامل نثار کر دی جا سکتی ہے۔ اس صحرائی قربانگاہ میں پہنچ کر ملتِ اسلامیہ کے ان نمائندوں نے اس اقرار کو دہرایا کہ تیرا نام بلند کرنے کے لئے جو پروگرام مرتب ہوا ہے اس کی تکمیل میں جس قربانی کی ضرورت ہوگی۔ بلا دریغ کر دی جائے گی۔ یہاں پہنچ کر مختلف ملکوں کے نمائندوں نے اپنے اپنے خیمے لگائے۔ یہ سب اللہ کے مہمان ہیں اس لئے خود ہی مہمان اور خود ہی میزبان ہیں آج صبح ہندی مسلمانوں کے ہاں سب کے کھانے کا انتظام ہے شام کو ایرانیوں کا اہتمام ہے۔ ان دعوتوں کے لئے قربانیاں کی جا رہی ہیں۔ سامان تو کھانے پینے ہی کا ہے لیکن چونکہ وہ مقصدِ عظیم جس کے لئے یہ اجتماع ہوا ہے خالصتاً اللہ کے لئے ہے اس لئے یہ دعوتیں بھی دنیا کی دعوتوں سے نرالی ہیں۔

لن ينال الله لحومها ولا دماء وها ولكن يناله التقوىٰ منكم كذالك سخرها لكم لتكبروا الله على ما هدالكم و بشر المحسنين o (۲/۳۷)۔ اللہ تک ان قربانیوں کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا۔ بلکہ تمہارے دل کا تقویٰ۔ پاکیزگی مقصد پہنچتی ہے۔ اس نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے

لئے مسخر کر دیا کہ تم اللہ کی راہنمائی پر اس کے نام کو بلند کرو۔ اور نیک کرداروں کے لئے بشارت ہے۔ دعوتیں اور ضیافتیں ہیں۔ ایک ملک کے مسلمان دوسرے ملک والوں کو اپنے مقامی حالات سے آگاہ کر رہے ہیں' دماغی اور قلبی تعارف ہو رہا ہے۔ ادھر ادھر مختلف ملکوں کی مصنوعات کی نمائش لگ رہی ہے۔ خرید و فروخت ہو رہی ہے۔ **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم** (۲/۱۹۸) اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم (حج میں) اپنے رب کا فضل (یعنی معیشت) کماؤ۔ اس طرح یہ اجتماع ملت اسلامیہ کے لئے دینی اور دنیاوی۔ سیاسی۔ اقتصادی۔ معاشی۔ معاشرتی فوائد کا ذریعہ بن رہا ہے کہ حج کا مقصد یہی ہے **لیشھدوا منافع لھم** تا کہ لوگ اپنے فوائد کے لئے حاضر ہوں۔

تین دن تک یہ اجتماع رہا جس میں عالم اسلامی کے ہر گوشے اور ملت اسلامیہ کے ہر شعبے کے متعلق باہمی تبادلہ خیالات ہوا۔ ادھر یہ ہو رہا ہے۔ ادھر تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ملت کے افراد۔ اپنے اپنے ہاں وادیٔ مکہ کے اجتماع سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے عیدگاہوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے نیز اس پروگرام کو سننے کے لئے جس کا اعلان ایک دن پہلے میدان عرفات میں ہوا ہے۔ اس پروگرام کی اطلاعیں ریڈیو' ٹی وی' انٹرنیٹ اور تار برقی سے تمام عالم اسلامی تک پہنچ چکی ہیں۔ مقامی مسلمان عیدگاہوں میں پہنچے۔ اپنے اپنے خطیبوں سے اس پروگرام کو سن لیا اور سمجھ لیا جس پر اب سال بھر عمل کیا جائے گا۔ وہ تھا حج یہ ہے عید۔ وہ فریضۂ مقدس جس میں نوعِ انسانی کے قیام و بقاء کا راز ہے۔

تمام انسانوں کا اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اپنے ہی لئے نہیں جیتا بلکہ اس کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ تمام دنیا کو اس نظام پر چلائے جس سے انسانیت بڑھے۔ پھولے۔ پھلے اور عروج و ارتقاء کی منزلیں طے کر کے' اس منزل سے اگلی منزل میں جا پہنچے۔ حج اس نظام کی سب سے اہم کڑی اور کعبہ اس نظام کا مرکز ہے۔ **جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام قیٰما للناس** (۵/۹۷)۔ اللہ نے کعبہ کو جو حرمت کا گھر ہے تمام انسانوں کے لئے (امن و عافیت کے) قیام کا ذریعہ بنایا ہے۔ انسانوں نے مختلف خطوط پر مختلف قسم کی جمعیتیں بنا بنا اور بگاڑ بگاڑ کر مختلف تجربے حاصل کئے ہیں اور ہر تجربہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ۔۔۔ تلاش جس کی ہے وہ زندگی نہیں ملتی۔۔۔ یہ سب اس لئے کہ جن اصولوں پر یہ جمعیتیں بنائی گئیں وہ سب غیر فطری تھے۔ فطرت کے مطابق تو ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ انسانوں کی تقسیم ملکوں اور قوموں کی رو سے نہ کی جائے بلکہ تمام انسانوں کو ایک عالمگیر برادری تصور کر کے انہیں ایک مرکز کے ماتحت خدا کے قانون کے تابع رکھا جائے۔ یہی وہ عظیم الشان اصول ہے جس کی رو سے مکہ کو ''**ھدی للعٰلمین**'' تمام دنیا کے لئے ہدایت کا سرچشمہ اور کعبہ کو ''**قیاما للناس**'' تمام نوع انسانی کے قیام کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ اس جمعیت آدم کا فطری نتیجہ ہے' دنیا کا امن و سکون۔ **ومن دخلہ کان امنا** o جو اس میں داخل ہوا۔ امن و حفاظت میں آ گیا حج اور عید اسی منزل کے نشانِ راہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الزامات اور ان کی حقیقت

بدقسمتی سے پاکستان میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا ہے جس نے اپنی زندگی کا مشن یہ قرار دے رکھا ہے کہ طلوع اسلام کے خلاف بے بنیاد الزامات تراشے جائیں اور پھر انہیں ملک میں اس شد و مد سے پھیلایا جائے کہ لوگ اس جھوٹ کو سچ سمجھ کر، طلوع اسلام کی بات سننا گوارا نہ کریں۔ چونکہ اس جھوٹے پروپیگنڈہ میں اس طبقہ کے سامنے ایک خاص مقصد ہے، اور وہ ایسا دانستہ کرتے ہیں، اس لئے ان لوگوں سے کچھ کہنا سننا بیکار ہے۔ البتہ جو سادہ لوح اور نیک نیت انسان ان کے پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر دل میں غلط خیال قائم کر لیتے ہیں، ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ مختصر الفاظ میں، اصل حقیقت ان کے سامنے پیش کر دی جائے۔ تاکہ وہ اس بدظنی سے بچ جائیں جسے قرآن مجید نے یہ کہہ کر گناہ قرار دیا ہے کہ

یایھا الذین امنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم۔ (49:12)

اے ایمان والو! کسی کے خلاف بدظنی سے بہت زیادہ بچو، اس لئے کہ بعض بدظنی (انسان کو) گناہ (تک پہنچا دیتی) ہے۔

پہلا الزام:

طلوع اسلام منکرِ حدیث ہے

یہ الزام قطعاً غلط ہے۔ ہم جو کہتے ہیں صرف اس قدر ہے کہ نبی اکرمؐ کی سیرتِ مقدسہ، انسانی شرف اور کردار کی انتہائی بلندی پر ہے۔ لیکن بدقسمتی سے ہماری کتبِ روایات میں ایسی باتیں بھی آ گئی ہیں جن سے حضورؐ کی سیرت پر طعن پڑتا ہے۔ غیر مسلم انہی روایات کی بنا پر آئے دن حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر حملے کرتے رہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اس قسم کی روایات وضعی ہیں۔ ان کے متعلق ہمیں صاف الفاظ میں کہہ دینا چاہئے کہ وہ رسولؐ اللہ کے اقوال و افعال نہیں ہیں۔ یہی ہیں وہ روایات جن کے صحیح ہونے سے ہم انکار کرتے ہیں۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین مرتبہ جھوٹ بولا تھا (بخاری) ہم اسے صحیح حدیث نہیں مانتے، اور ہمارا خیال ہے کہ آپ بھی صحیح نہیں مانتے ہوں گے۔ اس قسم کی حدیثوں کے متعلق ہم کہتے یہ ہیں کہ یہ رسولؐ اللہ کی ہو نہیں سکتیں۔ یہ وضعی ہیں اور حضورؐ کی طرف یونہی منسوب کر دی گئی ہیں۔ یعنی ہم رسولؐ اللہ کی حدیث کا انکار نہیں

کرتے بلکہ کہتے یہ ہیں کہ اس قسم کی احادیث کی حضورؐ کی طرف نسبت صحیح نہیں ہے۔

ایسی روایات کو چھوڑ کر' وہ احادیث جو نہ قرآن مجید کے خلاف ہوں اور نہ جن سے نبی اکرمؐ یا صحابہ کرامؓ کی شان کے خلاف کوئی طعن پڑتا ہو' ہم انہیں صحیح تسلیم کرتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا الزام:

طلوع اسلام منکرِ سنت ہے

اس سنگین ترین الزام کی تردید میں ہم اس سے زیادہ کچھ اور کہنا ضروری نہیں سمجھتے کہ پرویز صاحب کی مایہ ناز کتاب' معراج انسانیت 1' کا ایک اقتباس درج کر دیں جو طلوع اسلام کے صفحات میں کئی بار پیش کیا جا چکا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:-

> خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لئے جو قوانین دیئے جانے تھے وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت' اور کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لئے وہی ایک صراط مستقیم ہے جس پر اس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں اور جس کو دیکھ کر ہر خبیر و بصیر پکار اٹھتا ہے کہ
>
> مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر
> بحق دل بند و راہِ مصطفیٰ رَو

(معراج انسانیت ص 175)

جس کا یہ ایمان ہو کیا اُسے منکرِ سُنت کہا جا سکتا ہے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا الزام:

طلوع اسلام رسالت پر ایمان ضروری نہیں سمجھتا

اس الزام کی تردید میں بھی ہم پرویز صاحب کی تحریر کا ایک اقتباس پیش کر دینا کافی سمجھتے ہیں۔ وہ ''سلیم کے نام خطوط'' (جلد اول ص 84) میں لکھتے ہیں:-

> ذرا سوچو کہ جب ایک مسلمان کہتا ہے کہ قرآن خدا کا کلام ہے تو اس کے پاس اس دعویٰ کی دلیل کیا ہے کہ قرآن واقعی خدا کا کلام ہے (معاذ اللہ! رسولؐ اللہ کا خود ساختہ نہیں۔) تاریخ شاہد ہے (اور اس کا ہمیں بھی اقرار ہے) کہ دنیا کو قرآن محمدؐ ابن عبداللہ نے دیا تھا۔ پھر یہ خدا کا کلام کیسے ہوا؟ اس کا صرف ایک ہی ثبوت ہے کہ خود محمدؐ ابن عبداللہ نے یہ کہا ہے کہ یہ کلام میرا نہیں' خدا کا ہے۔ اس لئے جب تک کوئی شخص محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صداقت پر ایمان نہ لائے' قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر ایمان نہیں لا سکتا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا الزام:

طلوع اسلام' سُنت رسُولؐ اللہ کو حُجت نہیں مانتا

جیسا کہ ''الزام نمبر 6'' کے تحت آپ دیکھیں گے' طلوع اسلام کا عقیدہ اور مسلک یہ ہے کہ مختلف ارکانِ اسلام

(نماز روزہ وغیرہ) کو اُمت کے مختلف فرقے، جس جس طریقے سے ادا کرتے چلے آ رہے ہیں، کسی شخص کو حق حاصل نہیں کہ ان میں کسی قسم کا رد و بدل کر سکے، یا کوئی نیا طریقہ وضع کرے۔

اب سوچئے کہ جو شخص (مثلاً) نماز کے مروجہ طریقہ میں نہ خود رد و بدل کرتا ہے نہ کسی اور شخص کو اس کا حق دیتا ہے، وہ سنتِ رسولؐ اللہ کو حجت نہیں مانتا تو اور کیا کرتا ہے۔ حجت کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اسے مستند سمجھا جائے اور کسی شخص کو اس میں رد و بدل کرنے کا مجاز نہ سمجھا جائے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچواں الزام:

طلوع اسلام، حکومت کی اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت قرار دیتا ہے

اس الزام کی تردید میں ہم پرویز صاحب کے اس خط کا متعلقہ اقتباس درج کر دینا کافی سمجھتے ہیں جو انہوں نے (کفر کے فتویٰ کے جواب میں) مفتی محمد شفیع صاحب کے نام لکھا تھا۔

> اطاعتِ رسول اور اطاعتِ خدا کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صورت یہ نہیں تھی کہ ہر شخص اپنے اپنے مفہوم کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کر لیتا تھا۔ اس کی صحیح شکل تھی کہ حضورؐ کے بعد جو خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہوئی تھی اس سے پوچھا جاتا تھا کہ فلاں معاملہ میں خدا اور رسولؐ کی اطاعت کس طرح کی جائے گی جو فیصلہ وہاں سے ملتا اسے خدا اور رسول کی اطاعت سمجھا جاتا۔ اسی سے وحدتِ امت قائم تھی۔ جب خلافت باقی نہ رہی تو خدا اور رسولؐ کی اطاعت انفرادی طور پر ہونے لگی۔ اس سے امت میں افتراق پیدا ہوا۔ امت میں دوبارہ وحدت پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کی جائے اور اس کے فیصلوں کے مطابق خدا اور رسولؐ کی اطاعت کی جائے۔ اسی خلافت کو بغرضِ اختصار، مرکزِ ملت یا اسلامی نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور میں اس کی بار بار وضاحت کر چکا ہوں۔ میں نہ ہر نظامِ حکومت کو اسلامی نظام کہتا ہوں اور نہ اس کے فیصلوں کی اطاعت کو خدا اور رسولؐ کی اطاعت۔۔ میرے نزدیک خلافت علیٰ منہاج نبوت کے علاوہ کوئی نظام اسلامی نہیں کہلا سکتا۔ اور نہ اسے مرکزِ ملت قرار دیا جا سکتا ہے۔

(طلوع اسلام۔ مئی جون 62ء ص 153-152)

جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم اپنے آپ کو نہ اس وقت ان طریقوں میں کسی قسم کے رد و بدل کرنے کا مجاز سمجھتے ہیں جن پر اُمت کاربند ہے نہ خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم ہو جانے کے بعد اپنے آپ کو اس کا مجاز سمجھیں گے۔ ہم اس وقت اس طریقے کے مطابق چلیں گے جس پر وہ خلافت ہمیں چلائے گی۔ البتہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اگر دین کی حکمت اور امت کی بہتری کی خاطر وہ خلافت کسی سابقہ فیصلہ میں کچھ تبدیلی کرنا چاہے، تو وہ ایسا کرنے کی مجاز ہوگی (مثلاً) نبی اکرمؐ کے زمانہ

میں تمام مفتوحہ زمینیں مجاہدین میں تقسیم کر دی جاتی تھیں، لیکن حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں اس طریق کو بدل دیا اور مفتوحہ زمینوں کو، حکومت کی تحویل میں لے لیا، تاکہ اس سے افرادِ مملکت کی ضروریات پوری کی جاسکیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ جب پھر اسی قسم کی خلافت قائم ہو جائے، جیسی حضرت عمرؓ کے زمانے میں تھی، تو وہ اس قسم کے فیصلے کرنے کی مجاز ہوگی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چھٹا الزام:

تین نمازیں۔نو دن کے روزے

کہا جاتا ہے کہ طلوع اسلام کہتا ہے کہ نمازیں صرف تین وقت کی ہیں اور روزے نو دن کے۔

یہ سرتاسر جھوٹ ہے۔طلوع اسلام نے کبھی ایسا نہیں کہا۔اس کے برعکس ہم نے بار بار اعلان کیا ہے کہ امت کے مختلف فرقے جس جس طریق سے نماز، روزہ وغیرہ کی ادائیگی کرتے چلے آرہے ہیں، ہمیں ان میں کسی قسم کے تغیر وتبدل کا حق حاصل نہیں، نہ ہی کوئی نیا طریقہ ایجاد کرنے کا۔۔البتہ ہم یہ ضروری کہتے ہیں کہ

(1) ان باتوں میں مختلف فرقوں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے ان کی بنا پر آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں کرنا چاہئے۔۔۔اور

(2) نماز، روزہ وغیرہ کو محض رسمی طور پر ادا نہیں کر لینا چاہئے۔اس روح اور مقصد کو بھی سامنے رکھنا چاہئے جن کے لئے یہ احکام دیئے گئے تھے۔رسمی نمازیں اور بے روح روزے، وہ انقلاب نہیں پیدا کر سکتے جو انقلاب محمد رسول اللہ والذین معہٗ نے دنیا میں پیدا کر کے دکھایا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ساتواں الزام:

اُردُو میں نماز

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ طلوع اسلام نے اُردو میں نماز پڑھنے کا طریقہ ایجاد کیا ہے، یہ طلوع اسلام کے خلاف کتنا بڑا جھوٹ ہے۔اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ کچھ سال اُدھر کا ذکر ہے کہ لاہور میں کسی صاحب نے عید کی نماز اُردو میں پڑھائی۔جب اس واقعہ کی خبر طلوع اسلام کو پہنچی (جس کا دفتر اُس زمانہ میں کراچی میں تھا) تو اُس نے، سب سے پہلے اس کی مخالفت کی اور لاہور میں بڑے بڑے پوسٹر اس کے خلاف لگوائے۔اس کے بعد یہ آج تک اس تحریک کی مخالفت کرتا چلا آرہا ہے۔

اس ایک واقعہ سے اندازہ لگائیے کہ طلوع اِسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولتے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

آٹھواں الزام:

طلوع اسلام ایک نیا فرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے

طلوع اسلام پہلے دن سے اعلان کرتا چلا آرہا ہے کہ اسلام دُنیا میں امتِ واحدہ پیدا کرنے کے لئے آیا تھا اور نبی اکرمؐ نے ایسی اُمت پیدا کر کے دکھا دی تھی جس میں کوئی فرقہ نہیں تھا۔قرآن کی رُو سے فرقہ بندی شرک ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جس بات کو طلوع اسلام' خلافِ اسلام اور شرک قرار دیتا ہے کیا وہ خود اس کا مرتکب ہوسکتا ہے؟ طلوع اسلام کا تعلق نہ کسی سیاسی پارٹی سے ہے نہ کسی مذہبی فرقہ سے' نہ ہی وہ کوئی اپنی سیاسی پارٹی بنانا چاہتا ہے نہ مذہبی فرقہ۔ وہ امت میں اتحاد کا علمبردار ہے اور پوری نوع انسانی کا ایک عالمگیر برادری بنانے کا داعی۔ یہی اسلام کی تعلیم ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نواں الزام:

طلوع اسلام قرآن کو نئے معنی پہناتا ہے

اللہ تعالیٰ نے ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ قرآن کریم میں غور وفکر کرے وہ اس میں غور وتدبر نہ کرنے والوں کو بڑی سخت سرزنش کرتا ہے۔ وہ عقل وفکر سے کام نہ لینے والوں کو حیوانات سے بھی بدتر قرار دیتا ہے۔

طلوع اسلام' اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق' قرآن کریم میں غور وتدبر کرتا ہے اور اس کے نتائج دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ وہ جو کچھ کہتا ہے اس کی سند خود قرآن سے پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد بھی وہ کسی کو مجبور نہیں کرتا کہ وہ بالضرور اس کے پیش کردہ مفہوم کو صحیح سمجھے' نہ ہی وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ جو کچھ کہتا ہے' غلطی سے مبرا اور حرفِ آخر ہے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ اس قسم کے انفرادی غور وفکر کا حق کسی سے چھینا نہیں جاسکتا۔ آپ اس سے اختلاف کرسکتے ہیں' لیکن اسے غور وفکر کرنے سے نہیں روک سکتے؟ اگر کسی کو غور وفکر کا حق دیا جانا مقصود نہ ہوتا' تو اللہ تعالیٰ غور وفکر کرنے کا حکم کیوں دیتا؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دسواں الزام:

اسلاف کی مخالفت

اس سلسلے میں عوام کو یہ کہہ کر بھڑکایا جاتا ہے کہ دیکھو' یہ شخص (پرویز) یہ کہتا ہے کہ

(1) قرآن کو آج تک میرے سوا کسی نے نہیں سمجھا۔

(2) جو کچھ ہمارے پاس اسلاف سے آرہا ہے' اس کو دریابُرد کردینا چاہئے۔

(3) تمہارے ائمہ اور اسلاف سب (معاذ اللہ) جاہل تھے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ کچھ نہ کبھی پرویز صاحب نے کہا ہے' نہ طلوع اسلام نے' وہ کھلے الفاظ میں کہتا ہے کہ

''ہمارا یہ مطلب نہیں کہ سلف سے جو کچھ تمہارے پاس آیا ہے وہ (معاذ اللہ) سب کا سب گمراہ کن ہے۔ ایسا کون کہہ سکتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں ان سے ملا ہے' آنکھیں بند کرکے اس کی پیروی مت کرو بلکہ شمع قرآنی کی روشنی میں ہمیشہ آنکھیں کھلی رکھو۔ وہ بھی ہماری طرح انسان تھے' غلطی کرسکتے تھے' لیکن قرآن کی کسوٹی کبھی غلطی نہیں کرسکتی۔''

(طلوع اسلام۔ بابت اکتوبر 49ء)

اس کا کہنا صرف یہ ہے کہ ہمارے پاس جو کچھ اسلاف سے چلا آرہا ہے ہمیں چاہئے کہ اسے قرآن کریم کی

روشنی میں پرکھ کر دیکھ لیں' جو کچھ اس کے مطابق ہو اسے صحیح تسلیم کرلیں۔ جو اس کے خلاف ہو اسے چھوڑ دیں۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے' ہماری کتب روایات میں اور اسلاف کی کتابوں میں بعض باتیں ایسی آ گئی ہیں جو قرآن کے خلاف جاتی ہیں۔ ان باتوں کے متعلق طلوع اسلام کا مسلک وہ ہے جسے پرویز صاحب نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

میرے نزدیک نہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی بات (معاذ اللہ) قرآن کے خلاف فرما سکتے تھے اور نہ ہی میں ان بزرگوں کے متعلق ایسا گمان کرسکتا ہوں کہ انہوں نے قرآن کے خلاف کچھ پیش کیا ہو۔ لہٰذا یہ چیزیں رسولؐ اللہ اور ائمہ ملت کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہیں (اور یہی عجم کی سازش تھی) اگر اس پر بھی کسی کو اصرار ہے کہ نہیں! یہ باتیں رسولؐ اللہ (اور ائمہ کرامؒ) ہی کی ہیں تو میں صرف اتنا عرض کرسکتا ہوں کہ یہ جرأت آپ کو مبارک ہو۔ میں تو اس کے تصور سے بھی کانپتا ہوں کہ کسی ایسی بات کو جو قرآن مجید کے خلاف ہو' (معاذ اللہ) رسولؐ اللہ یا حضورؐ کے کسی سچے متبع کی طرف منسوب کیا جائے۔

(اسباب زوال امت ص 174)

سوچئے کہ کیا یہ شخص اسلاف کا زیادہ احترام کرتا ہے' یا وہ جو اس کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ باتیں جو قرآن کے خلاف ہیں ہمارے اسلاف نے ضرور کہی ہیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گیارھواں الزام:

دعوائے نبوّت

جب ان لوگوں سے کوئی اور بات بن نہیں پڑتی تو کہہ دیتے ہیں کہ تم دیکھ لینا۔ پرویز صاحب ایک دن نبوت کا دعویٰ کر دیں گے۔

پرویز صاحب کا عقیدہ یہ ہے (جس کا وہ سینکڑوں مقامات پر شرح وبسط سے اعلان کر چکے ہیں) کہ

(1) نبی وہ ہے جسے خدا کی طرف سے وحی ملے۔

(2) وحی سے مطلب ہے خدا کی طرف سے براہ راست حقیقت کا علم حاصل ہونا۔

(3) نبی اکرمؐ کے بعد خدا کی طرف سے وحی کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوگیا۔

(4) ختم نبوت کے معنی یہ ہیں کہ اب کسی شخص کو خدا کی طرف سے براہ راست کوئی علم حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے جو کچھ دینا تھا' قرآن کریم میں دے دیا اور اسے قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا۔

(5) ہمارے ہاں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وحی کا دروازہ بند ہوگیا لیکن کشف اور الہام کا دروازہ کھلا ہے۔ کشف اور الہام کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو خدا کی طرف سے براہِ راست علم حاصل ہوتا ہے۔ یہ چیز ختم نبوت کے منافی ہے اور وہ سیڑھی ہے جس سے لوگ نبوت تک کا دعویٰ کرنے لگ جاتے ہیں اس لئے ان راستوں کا بند کرنا نہایت ضروری ہے۔

اب آپ سوچئے کہ جو شخص ختمِ نبوت کے بعد وحی تو ایک طرف' کشف والہام کا بھی قائل نہ ہو وہ نبوت کا دعویٰ کس طرح کرسکتا ہے۔ پرویز صاحب کا ''دعویٰ'' صرف اس قدر ہے کہ وہ قرآن کے ایک ادنیٰ طالب علم ہیں اور بس۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بارھواں الزام:

کمیونسٹ

ان پر جھوٹا پراپیگنڈہ کرنے والوں کی دیدہ دلیری کی انتہا ہو جاتی ہے۔ جب یہ لوگوں میں مشہور کرتے ہیں کہ طلوع اسلام' ملک میں کمیونزم پھیلاتا ہے۔ یہ کچھ اس طلوع اسلام کے خلاف کہا جاتا ہے جس نے' تشکیل پاکستان سے اس وقت تک کمیونزم کے خلاف مسلسل جہاد شروع کر رکھا ہے اس نے مختلف انداز میں اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اس وقت دنیا میں اسلام کے لئے سب سے بڑا چیلنج کمیونزم ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ اس لئے۔۔۔

نہ کوئی مسلمان کبھی کمیونسٹ ہوسکتا ہے
اور نہ کوئی کمیونسٹ مسلمان ہوسکتا ہے۔

(طلوع اسلام۔ستمبر 1962ء ص 33)

اس لئے وہ دورِ حاضر میں کمیونزم کو اسلام کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتا ہے۔

البتہ وہ یہ ضرور کہتا ہے کہ قرآن کریم جس قسم کا نظام قائم کرتا ہے اس میں کوئی شخص نہ بھوکا رہ سکتا ہے' نہ ننگا۔ اس میں ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کی ذمہ داری' مملکت پر ہوتی ہے۔ مملکت اپنی اس اہم اور عظیم ذمہ داری کو پورا کرنے کے لئے' ضرورت سمجھے تو ملک کے ذرائع پیداوار کو اپنی تحویل میں لے سکتی ہے لیکن مملکت کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتی جس سے کسی فرد کی انفرادیت (Individuality) سلب ہو جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلامی نظام میں افراد کو طبعی ضروریاتِ زندگی کی طرف سے اطمینان ہی اس لئے دلایا جاتا ہے کہ وہ اپنی زندگی وحی خداوندی کے تابع رکھ کر' اپنی ذات (انسانی صلاحیتوں) کی نشوونما کرسکیں اور اس طرح دنیا میں بھی سرفرازی و سربلندی کی زندگی بسر کریں اور حیاتِ اخروی میں زندگی کی مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہوسکیں۔ سوچئے کہ کمیونزم کو' جو نہ وحی خداوندی کو مانتی ہے اور نہ حیاتِ اخروی کو' اس نظام حیات سے کیا واسطہ؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

یہ ہیں مختصر الفاظ میں وہ الزامات' جو طلوع اسلام کے خلاف تراشے جاتے ہیں اور جن کا اس قدر ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے جو کچھ ہم نے کہا ہے اس کی روشنی میں دیکھئے کہ کیا ان الزامات میں کوئی صداقت ہے؟ یہ لوگ طلوع اسلام کے خلاف اس قدر جھوٹا پراپیگنڈہ اس لئے کرتے ہیں کہ طلوع اسلام اس تھیاکریسی کی مخالفت کرتا ہے جسے یہ لوگ یہاں قائم کرنا چاہتے ہیں اور جس میں انسانیت کا گلا گھٹ کر رہ جاتا ہے۔

یہ حضرات طلوع اسلام کے خلاف جھوٹے پراپیگنڈے تک ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ہر قسم کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ اس باب میں آپ مولانا مودودی صاحب کے ایک ممتاز اور پرانے معتقد حکیم عبدالرحیم اشرف کا ایک بیان سن لیجئے' جو ان کے اخبار ''المنیر'' بابت 19 ستمبر 1958ء

میں شائع ہوا تھا (اشرف صاحب اب مودودی صاحب سے الگ ہو چکے ہیں) انہوں نے لکھا تھا:-

میں نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے 17 دسمبر 1957ء کو ملتان جیل میں ملاقات کی۔ اس موقعہ پر منجملہ دیگر امور کے ''منکرین سنت'' اور ان کے فتنے کا بھی ذکر آ گیا۔ اس پر مولانا ممدوح نے اشاعتِ لٹریچر کی ایک اسکیم بتلائی اور اس کی تکمیل کے سلسلے میں فرمایا کہ آپ چودھری غلام محمد صاحب سے کہیں (جو اس زمانہ میں جماعت اسلامی سندھ کے قیم تھے) کہ وہ دفتر طلوع اسلام سے رابطہ پیدا کریں اور وہاں کسی شخص کی تالیف قلب کر کے طلوع اسلام کے پتے حاصل کریں۔

آپ اندازہ لگا لیجئے کہ جو لوگ رشوت دے کر پتے حاصل کرنے تک سے بھی گریز نہ کریں وہ الزام تراشی اور کذب بافی میں کیا باک محسوس کریں گے؟

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک درخواست

اس سلسلہ میں ہماری آپ سے صرف ایک درخواست ہے اور وہ یہ کہ اگر آپ سے کوئی شخص طلوع اسلام کے خلاف کوئی بات کہے۔ تو آپ اس سے اتنا کہئے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں اس کی تائید میں طلوع اسلام یا پرویز صاحب کی کوئی تحریر دکھا دیجئے۔ آپ دیکھیں گے کہ اس کے بعد وہ کس طرح اپنا سا مُنہ لے کر رہ جاتے ہیں۔ ان کا یہ پروپیگنڈہ کامیاب ہی اس لئے ہو رہا ہے کہ لوگ ان سے اس کا مطالبہ نہیں کرتے کہ جو کچھ آپ کہتے ہیں اس کی تائید میں طلوع اسلام یا پرویز صاحب کی تحریر دکھا دیجئے۔

یا آپ کم از کم اتنا ہی کیجئے کہ جو کچھ آپ سے کہا جائے اس کے متعلق طلوع اسلام یا پرویز صاحب سے خود دریافت کر لیجئے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

درسِ قرآن

اس کے جواب میں بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ پرویز صاحب اپنے درسِ قرآن میں اس قسم کی قابلِ اعتراض باتیں کہتے ہیں۔ پرویز صاحب کا درس ہر اتوار کی صبح ان کے مکان (واقعہ 25 بی' گلبرگ 2' لاہور) میں ہوتا ہے۔ جس کا جی چاہے اسے آ کر سُن لے اور اپنا اطمینان کر لے کہ اس میں کون سی بات قابلِ اعتراض ہوتی ہے۔

پھر اتنا ہی نہیں کہ وہاں درس دیا گیا اور بات ہوا میں اڑ گئی۔ ان کا ہر درس ٹیپ ریکارڈر میں محفوظ کر لیا جاتا ہے اور یہ ٹیپ (ہر اتوار کی صبح' لاہور) میں 25 بی' گلبرگ 2' میں سنایا جاتا ہے اس کے بعد دیگر مقامات میں اسے دہرایا جاتا ہے۔ آپ ان مقامات میں سے کسی جگہ اس درس کو سنئے اور پھر خود فیصلہ کیجئے کہ آیا اس میں کوئی قابل اعتراض بات ہوتی ہے۔۔؟ محض سنی سنائی باتوں پر نہ جائیے کیونکہ خدا کا حکم ہے کہ

لا تقف ما لیس لک به علم۔ (17:36)

جس بات کا تمہیں ذاتی طور پر علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ لگ جایا کرو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صاحبزادہ محمد امانت رسول

عورتوں پر تشدد: اہل علم متوجہ ہوں

ہر شخص اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے کہ پاکستانی معاشرے کی اکثریت مذہب سے لگاؤ رکھتی ہے یا کسی نہ کسی حد تک آشنا ضرور ہے۔ ہر گھر میں قرآن پاک یا ترجمہ موجود ہوتا ہے یا کالونی کی مسجد کے خطیب سے کالونی میں رہنے والے ہفتہ وار، ماہانہ یا پھر سالانہ مذہبی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ہماری بزرگ خواتین اب بھی ایسی کتابیں بچیوں کو پڑھ کر سناتی ہیں اور انہیں جہیز میں دیتی ہیں جو میاں، بیوی کے حقوق و فرائض سے متعلق ہیں، جن میں مردوں کی برتری، حاکمیت اور فضیلت کا ذکر ہے اور ساتھ ہی عورتوں کی کمتری، محکومیت اور حقیریت کا بیان بھی ہے۔ نتیجتاً مرد (شوہر) کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ اگر عورت (بیوی) نافرمانی کرے تو وہ اسے پیٹ بھی سکتا ہے۔ اس سلسلے میں قرآن پاک کی سورۃ النساء کی آیت نمبر ۳۴ کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ جس کا ترجمہ ہے ''مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس لئے کہ بڑائی دی اللہ نے ایک کو ایک پر اور اس واسطے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال، پھر جو عورتیں نیک ہیں، تابعدار ہیں، نگہبانی کرتی ہیں، پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے اور جن کی بدخوئی کا ڈر ہو تم کو تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو سونے میں اور مارو ان کو، پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ الزام کی، بے شک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا۔ (ترجمہ معارف القرآن)۔

اس آیت کریمہ میں یہ الفاظ اہم اور توجہ طلب ہیں۔ ایک لفظ ''نشوز'' جس کا مطلب اس ترجمہ میں ''بدخوئی'' کیا گیا ہے اور دوسرا لفظ ''ضرب'' ہے، جس کا مطلب مارنا ہے۔

سب سے پہلے ہم نشوز کی تحقیق کرتے ہیں۔ اہل لغت نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں، مثلاً عورت کا اپنے شوہر سے بغض رکھنا، ناموافقت ہونا، دیوانہ ہونا، بلند ہونا، عورت کے نشوز سے اس کی بدخوئی، بددماغی، نافرمانی خاوند کی مخالفت اور اس سے بغض وغیرہ مراد ہے۔ امام راغب نے لکھا ہے: ''نشوز المرأۃ کے معانی عورت کے اپنے شوہر کو برا سمجھنے، سرکشی کرنے اور کسی دوسرے مرد پر نظر رکھنے کے ہیں''۔ اسی طرح ضرب کے بھی مختلف معانی ہیں۔ مثلاً مارنا، بیان کرنا، چلنا، بتانا، ظاہر کرنا۔

اب آیئے! قرآن پاک کی مختلف تفاسیر دیکھتے

ہیں۔ان میں اس آیت کے اس خاص مقام کے حوالے سے کیا لکھا گیا ہے۔

مولانا احمد سعید دہلوی لکھتے ہیں: ''حضرت حق تعالیٰ نے مرد کی حاکمیت' اس کی برتری اور عورتوں کی محکومیت اور اطاعت وفرمانبرداری کا ذکر فرمانے کے بعد مردوں کو فرمایا کہ جو عورتیں خاوند کی نافرمانی کریں اور تم کو قرائن سے ان کا نشوز معلوم ہو جائے' خواہ وہ ان کے قول سے مفہوم ہو یا ان کے فعل سے' مثلاً کوئی بات ان سے کہو اور وہ تڑاخ سے جواب دیں یا چیخ کر بولیں اور ان کو کوئی حکم دو تو وہ تعمیل نہ کریں۔ یہ وہ امور ہیں' جن سے عورت کی بدخوئی' بددماغی اور اس کی نافرمانی معلوم ہوسکتی ہے' لہٰذا ان کی اصلاح کرو' ورنہ بدمزاج اور ناشزہ عورت سے ازدواجی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ اصلاح کے علی الترتیب تین طریقے بتائے ہیں۔۔۔اور نشوز سے باز نہ آئے تو مار بھی سکتے ہو' مگر ایسا مارنا جس کو ضرب خفیف کہا جاتا ہے' یعنی لکڑی سے نہ مارو اور ایسا نہ مارو کہ اس کی ہڈی ٹوٹ جائے یا زخم ہو جائے''۔ حضرت حسن بصریؒ کا قول ہے: ''ایسا نہ مارو جس سے بدن پر کوئی نشان پڑ جائے' بلکہ مسواک یا کپڑے سے رومال کا کوڑا بنا کے مار دے۔'' (کشف الرحمٰن)۔

تفسیر عثمانی میں لکھا ہے: ''سرسری قصور پر نہ مارے' ہاں' قصور زیادہ ہو پھر مارنے میں حرج نہیں۔ جس قدر مناسب ہو مارے' پیٹے' مگر اس کا لحاظ رہے کہ ہڈی نہ ٹوٹے اور نہ ایسا زخم پہنچائے' جس کا نشان باقی رہ جائے''۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ لکھتے ہیں: ''آخری درجے میں مرد کو جسمانی سزا دینے کا بھی اختیار ہے' لیکن یہ صرف اس حد تک ہونی چاہئے' جس حد تک ایک معلم ومؤدب اپنے کسی زیر تربیت شاگرد کو دے سکتا ہے''۔ (تدبر قرآن)۔

سید مودودیؒ لکھتے ہیں: ''ان میں سے ایک صنف (یعنی مرد) کو اللہ نے طبعاً بعض ایسی خصوصیات اور قوتیں عطا کی ہیں جو دوسری صنف (عورت) کو نہیں دیں یا اس سے کم دی ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیویوں کو مارنے کی جب کبھی اجازت دی ہے' بادل نخواستہ دی ہے اور پھر بھی اسے ناپسند ہی فرمایا ہے' تاہم بعض عورتیں ایسی ہوتی ہیں جو پٹے بغیر درست نہیں ہوتیں''۔ (مولانا مودودیؒ کا آخری جملہ دلچسپ ہے)۔

''فی ضلال القرآن'' میں سید قطب شہید اس کی تفسیر میں احادیث لکھتے ہیں: ''ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ سے مروی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کی باندیوں کو نہ مارو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی عورتیں شوہروں کی نافرمانی کرنے لگی ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے ضرب کی اجازت دی۔ اس کے بعد آپ کے اہل خانہ کے پاس عورتیں بکثرت آ کر اپنے شوہروں کی شکایتیں کرنے لگیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: محمد ﷺ کے گھر والوں کے پاس عورتیں کثرت سے اپنے شوہروں کی شکایتیں لے کر آنے لگی ہیں۔ (یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں) یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔''

''تفسیر نمونہ'' میں ہے: ''ماہرین نفسیات کا نظریہ

ہے کہ کچھ عورتیں آزار طلب ہوتی ہیں۔ جب کبھی ان کی یہ حالت شدت اختیار کرے تو انہیں سکون و آرام پہنچانے کا واحد علاج مختصر سی بدنی سزا ہے۔''

مختلف عربی تفاسیر میں لکھا ہے: ''شوہر اپنی بیوی کو چار باتوں پر مار سکتا ہے ا۔ شوہر کی خواہش وحکم کے باوجود بیوی زینت و آرائش نہ کرے۔ ۲۔ شوہر حق زوجیت کا خواہش مند ہو' مگر بیوی کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود انکار کر دے۔ ۳۔ اسلامی فرائض جیسے نماز پڑھنا چھوڑ دے۔ جنابت وناپاکی کے بعد بیوی کا نہ نہانا بھی ترکِ فرائض کے حکم میں ہے۔ یعنی اگر بیوی ناپاکی اور حیض کے غسل سے انکار کرتی ہو تو شوہر اس پر بھی مار سکتا ہے۔ ۴۔ بیوی اپنے شوہر کی اجازت و رضامندی کے بغیر گھر سے باہر جاتی ہو (یہ چار باتیں فتاویٰ قاضی خان میں بھی مذکور ہیں)۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے۔ حضرت اشعث فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظمؓ کا مہمان ہوا۔ اتفاقاً اس روز میاں بیوں میں کچھ ناچاقی ہوگئی اور حضرت عمرؓ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا۔ پھر مجھ سے فرمانے لگے' اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے حضورﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں۔ ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا۔ دوسری وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی۔

تفسیر نمونہ میں ایک الجھن کا حل یوں پیش کیا جاتا ہے: سرکشی وطغیانی اور زیادتی مرد بھی کر سکتے ہیں تو کیا مردوں کو بھی اسی قسم کی سزا دی جائے گی؟ تو ہم کہیں گے کہ جی ہاں مرد بھی بالکل عورتوں کی طرح اپنے فرائض ادا نہ کرنے کی صورت میں اسی قسم کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ یہاں تک کہ انہیں بدنی سزا بھی دی جائے گی' البتہ کیونکہ یہ کام عورتوں کی ذمہ داری سے خارج ہے' اس لئے حاکم شرع پر فرض ہے کہ وہ خلاف ورزی کرنے والے مردوں کو مختلف طریقوں سے' یہاں تک کہ بدنی سزا کے ذریعے' انہیں ان کی ذمہ داری بتائے۔

ان تفاسیر کے مطالعہ کے بعد خود بخود یہ سوالات قاری کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔

ا۔ مرد کی حاکمیت اور عورت کی محکومیت کا تصور کیا ہے؟ موجودہ دور میں اس تصور کو کیسے دیکھا جا سکتا ہے؟

۲۔ کیا قرآن کے بیان کردہ تین طریقے مرد کے رویے اور بدکرداری کے خلاف عورت بھی استعمال کر سکتی ہے؟

۳۔ اگر مرد غیر عورت پر نظر رکھے تو اس کی پٹائی کون کرے گا؟

۴۔ کیا مارنے والا اس احتیاط سے پٹائی کرتا ہے کہ جسم پر نشان نہ پڑ جائے؟

۵۔ مرد' عورت کو مسواک سے مارے یا کپڑے کے کوڑے سے' کیا اس میں کمتری اور حقارت نہیں ہے؟

۶۔ کیا آج تک کسی مرد نے اپنی بیوی کو اتنے وقار' سنجیدگی اور خداخوفی سے پیٹا ہے؟

۷۔ عورت کے قصور کا تعین کون کرے گا اور مرد کی مار کا تعین کون کرے گا؟

۸۔ اگر چار باتوں کی خلاف ورزی مرد (شوہر) کرے تو اس کے خلاف کیا قدم اٹھایا جا سکتا ہے؟

۹۔ کیا مرد عورت کا تعلق استاد شاگرد کا ہے یا دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو کسی طرح بھی ایک دوسرے سے کمتر نہیں ہیں؟

۱۰۔ وہ کس قسم کی عورتیں ہیں جو پٹے بغیر نہیں رہ سکتیں' کیا ایسے مرد بھی ہوتے ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو ان کی عادات کیسی ہوتی ہیں؟

۱۱۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی اہلیہ محترمہ کو جب پیٹا' حضرت اشعث وہاں خود موجود تھے۔ آواز سنی یا حضرت عمر نے انہیں خود بتایا' اگر خود وہاں موجود تھے تو کیا یہ بات چادر اور چار دیواری کے خلاف نہیں ہے؟ کیسے ممکن ہے کہ عمر فاروقؓ جیسی شخصیت کسی غیر کے سامنے اپنی بیوی کے ساتھ یہ سلوک روا رکھے۔ اگر آواز سنی تھی تو کیا یہ آواز مسواک کی تھی یا ہلکی سی چپت کی تھی؟ اگر خود بتایا تو یہ بھی فرمایا کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی بیوی کو کس وجہ سے مارا ورنہ حضرت اشعث پوچھتے کہ آپ نے اپنی بیوی کو مارنے سے پہلے دو مرحلے طے کر لئے تھے؟

۱۲۔ اگر مرد خلاف ورزی کرے تو عدالت' پنچایت یا ثالث سے عورت رابطہ کرے۔ اگر عورت قصوروار ہو تو عدالت پنچایت یا ثالث کے فیصلے کے مطابق سزا کیوں نہیں دی جا سکتی؟ عورت کے معاملے میں مرد کو مارنے کی اجازت کیوں ہے؟

۱۳۔ کیا قوم کی علمی پسماندگی' ایک صنف کی برتری کے نظریات کو پروان نہیں چڑھاتی؟

۱۴۔ کیا جاگیردارانہ نظام' نظام ملوکیت اور محکومیت کے زیر سایہ پرورش پانے والی قوم کے نظریات اور رویے میں تشدد اور جبر غالب نہیں آ جاتا؟

۱۵۔ کیا ہمارے دیہی علاقوں میں عورتوں پر تشدد کی شروعات ایسے ہی نظریات سے نہیں ہوتیں؟

۱۶۔ کیا جس ریاست میں عدالت اور پنچایتیں کام کر رہی ہوں وہاں کسی کو انفرادی طور پر سزا دینے کا حق ہوتا ہے' خواہ وہ سزا چھوٹی ہو یا بڑی۔

۱۷۔ کیا آج کی تعلیم یافتہ عورت ان نظریات سے مطمئن ہو سکتی ہے؟

۱۸۔ ایسے نظریات و مسائل ہمیں موجودہ دور میں اجنبی کیوں محسوس ہوتے ہیں؟

۱۹۔ قرآن پاک میں چور مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا تو فرمایا: ''فاقطعوا ایدھما'' (ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو)۔

زانی مرد اور زانیہ عورت کو سزا دینے کا حکم دیا تو فرمایا: جو عورت اور مرد بدکار ہو' ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ ان سزاؤں کا ایک طریقہ کار ہے' جس کے بعد مجرم کو سزا دی جاتی ہے۔ قاضی کے فیصلے کے مطابق سزا کا حکم ہوتا ہے' لیکن اس مقام پر عورت کو پیٹنے کا مرد کو اختیار کیوں دے دیا گیا؟ جبکہ اس آیت سے اگلی آیت میں میاں بیوی کے جھگڑے میں ثالثی کے کردار کا بیان ہے۔

(بشکریہ روزنامہ پاکستان' لاہور' 31 دسمبر 2003ء)

طلوع اسلام: اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدد جرائم کی سزا تجویز کی ہے لیکن ان میں سے کسی ایک کے متعلق بھی یہ نہیں کہا کہ یہ سزا عدالت کی طرف سے دی جا سکتی ہے۔ قرآن میں عدالت یا نظام عدل کا کہیں ذکر نہیں آیا۔ مثلاً سارق (چور) کی سزا کے سلسلہ میں فقط اتنا کہا ہے کہ۔۔۔ فاقطعوا ایدیھما (۵/۳۸) چور عورت ہو یا مرد ان کا قطع ید کر دو۔ یا زانی اور زانیہ کی سزا کے سلسلہ میں یہ کہا ہے۔۔فا جلدوا کل واحد منھما مائتہ جلدۃ (۲۴/۳)۔۔۔زانی عورت ہو یا مرد انہیں سو کوڑے مارو۔ بہتان تراشی کی سزا کے سلسلہ میں بھی۔۔۔فاجلد و ھم (۲۴/۴) کہا ہے یعنی انہیں اسی کوڑے لگاؤ۔ لواطت یا سحاقت کے ضمن میں کہا ہے۔۔۔فاذو ھما (۴/۱۶)۔۔۔انہیں مناسب سزا دو۔ جرم فحاشی کے سلسلہ میں کہا ہے۔۔فامسکرھن (۴/۱۵) انہیں پابند مسکن کر دو۔ آپ نے دیکھا کہ ان احکام میں کہیں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ ملزم کو عدالت میں پیش کرو۔ عدالت فیصلہ کرے کہ وہ مجرم ہے یا نہیں اور جرم ثابت ہونے پر عدالت ہی اسے سزا دے جس کا نفاذ حکومت کی طرف سے ہو۔ اب سوچئے کہ اگر ان احکام کے الفاظ کے پیش نظر یہ سمجھ لیا جائے کہ ان سزاؤں کا حق ہر ایک کو دیا گیا ہے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ والسارق والسارقتہ فاقطعوا ایدیھما کا یہ مطلب ہے کہ جس شخص کو تم چوری کرتے دیکھو اس کا ہاتھ کاٹ دیا کرو؟ قرآن کریم کا اسلوب یہ ہے کہ وہ عدل کا اصول بیان کرتا ہے۔ نظام عدل کو امت کی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے۔ عام جرائم تو ایک طرف، وہ حکومت کے خلاف بغاوت جیسے سنگین جرم کے سلسلہ میں بھی عدالت کا ذکر نہیں کرتا، صرف باغیوں کی سزا کا ذکر کرتا ہے (۵/۳۳)۔ لیکن عدالت کا ذکر نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہر شخص کو اجازت دیتا ہے وہ قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لے۔

کسی شخص کا کسی کو مارنا پیٹنا۔۔۔خواہ وہ جرم کی پاداش ہی میں کیوں نہ ہو۔۔۔قانون کو اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ اگر آپ (مثلاً) کسی جیب تراش کو پکڑ کر پیٹنے لگ جاتے ہیں اور اس سے اس کا دانت ٹوٹ جاتا ہے، تو اسے اگر جیب تراشی کے جرم کی سزا ملے گی تو آپ کو اس ضرب خفیف یا شدید کے جرم کے ارتکاب کی سزا ملے گی۔ اس لئے کہ آپ نے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ آپ کا کام تھا کہ اس جیب تراش کو حوالہ پولیس کرتے۔

جب عام قانون یہ ہے تو بیویاں بیچاری ہی ایسی جنسِ مظلوم ہیں کہ خاوندوں کو اجازت دے دی گئی ہے کہ وہ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیں اور انہیں مارنا پیٹنا شروع کر دیں۔ لہٰذا، جس طرح فاقطعوا؟۔یا۔فاجلدو کے معنی یہ نہیں کہ تم ان کے ہاتھ کاٹ دو یا انہیں کوڑے مارنے لگ جاؤ، بلکہ یہ معنی ہیں کہ عدالت انہیں اس قسم کی سزا دے۔ اسی طرح سورۂ نسا میں واضربوھن کے معنی بھی یہ نہیں کہ تم اسے خود ہی مارنے لگ جاؤ۔ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ عدالتِ مجاز انہیں بدنی سزا بھی دے سکتی ہے۔

پمفلٹس -- PAMPHLETS

ادارہ طلوع اسلام دینی موضوعات پر پمفلٹس شائع کرتا رہتا ہے۔

فی پمفلٹ قیمت 1 روپے ڈاک خرچ فی پمفلٹ 4 روپے کے حساب سے بھیج کر طلب فرمائیں۔

آرٹ اور اسلام

اسلام آگے کیوں نہ چلا؟

اندھے کی لکڑی

جہاں مارکس ناکام رہ گیا

دوقومی نظریہ

عورت قرآن کے آئینے میں

قرآن کا معاشی نظام

کیا قائداعظمؒ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے؟

مقام اقبالؒ

مقام محمدی ﷺ

ہم میں کیریکٹر کیوں نہیں؟

Islamic Ideology

Why Islam is the Only True Deen?

اسلامی قانون کی اصل و بنیاد کیا ہے؟

پاکستان کی نئی ''زیارت گاہیں''

ہم عید کیوں مناتے ہیں؟

ہندو کیا ہے؟

ہماری نمازیں اور روزے بے نتیجہ کیوں ہیں؟

اے کشتۂ سلطانی وملائی وپیری

اسلام اور مذہبی رواداری

کیا اسلام ایک چلا ہوا کارتوس ہے؟

ضبطِ ولادت

اسلام کیا ہے؟

اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟

بنیادی حقوق انسانیت اور قرآن

حرام کی کمائی

روٹی کا مسئلہ

قرآن کا سیاسی نظام

قوموں کے تمدن پر جنسیات کا اثر

کافرگری

مرزائیت اور طلوع اسلام

ماؤزے تنگ اور قرآن

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

Is Islam a Failure?

Parmanent Values

انسانیت کا آخری سہارا

نماز کی اہمیت

Why Do We Lack Character?

قوموں کی تعمیر فکر سے ہوتی ہے ہنگاموں سے نہیں!

اسلامی مملکت کے سربراہ کی معاشی ذمہ داریاں

قیامت موجود

الزامات اور ان کی حقیقت

کیا تمام مذاہب یکساں ہیں؟

ربٰو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

صرف ایک سوال

یہ شکایت آج کی نہیں، صدیوں سے چلی آ رہی ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے۔۔ کسی خاص فرقہ۔ خاص گروہ۔ خاص ملک کے مسلمانوں نے نہیں۔ پوری کی پوری اُمتِ مسلمہ نے۔ بات ہے تو درست، لیکن سوال یہ ہے کہ کبھی کسی نے اس پر بھی غور کیا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ یہ کیا ہوا کہ پوری کی پوری قوم نے اسلام چھوڑ دیا۔ اور یہ ایک آدھ دن کی بات نہیں۔ صدیوں سے اس کی یہی حالت ہے۔ تو ایسا کیوں ہے؟ ایک بات تو بالکل واضح ہے۔۔ پہلے اسی پر غور کرنا چاہئے۔

آپ کسی کمیونسٹ سے پوچھئے کہ کمیونزم کسے کہتے ہیں۔ وہ صاف، واضح اور متعین الفاظ میں اس کا جواب دے دے گا۔۔۔ آپ یہ سوال متعدد کمیونسٹوں سے پوچھئے۔ ہر ایک کا جواب ایک ہی ہوگا۔ اس جواب کی روشنی میں آپ کے لئے یہ متعین کرنا ذرا بھی مشکل نہیں ہوگا کہ فلاں شخص کمیونسٹ ہے یا نہیں۔ یا فلاں قوم نے کمیونزم کو چھوڑ دیا ہے یا وہ اس پر عمل پیرا ہے۔

اسی طرح آپ سوشلسٹوں سے، سوشلزم کے متعلق پوچھئے ان کے ہاں سے بھی متعین جواب مل جائے گا کہ سوشلزم کسے کہتے ہیں اور اس کے جواب کی روشنی میں آپ بآسانی یہ فیصلہ کرسکیں گے کہ فلاں شخص یا قوم نے سوشلزم کو چھوڑ دیا ہے یا نہیں؟

اس قسم کا سوال آپ مغربی جمہوریت کے متعلق پوچھئے۔ وہاں سے بھی آپ کو متعین جواب مل جائے گا۔

اس کے بعد آپ کسی مسلمان سے پوچھئے کہ اسلام کیا ہے اور پھر دیکھئے کہ وہ کیا جواب دیتا ہے، اور جب آپ یہی سوال مختلف مسلمانوں سے پوچھیں تو اس کے بعد دیکھئے کہ ان میں سے ایک کا جواب دوسرے سے نہیں ملے گا۔ یہ بات ہم عوام کے متعلق نہیں کر رہے۔ حضرات علماء کرام سے یہ سوال کیجئے اور پھر دیکھئے کہ ان کے ہاں سے کیا جواب ملتا ہے اور ایک کا جواب دوسرے سے کس قدر مختلف ہوتا ہے۔ ہم یہ بات محض نظری طور پر نہیں کہہ رہے۔ عملاً ایسا ہو چکا ہے۔ ۱۹۵۳ء کے (ختمِ نبوت تحریک کے سلسلہ میں) فساداتِ پنجاب کی تحقیقاتی کمیٹی نے (جسے عرفِ عام میں منیر کمیٹی کہا جاتا ہے) مختلف علماء کرام سے پوچھا کہ ''مسلمان کسے کہتے ہیں''

کمیٹی کی رپورٹ مطبوعہ شکل میں موجود ہے اس میں آپ دیکھئے کہ ان حضرات کی طرف سے اس سوال کا جواب کیا ملا تھا! ان میں سے بعض نے تو کہہ دیا کہ اس سوال کا جواب دو چار فقروں میں دیا نہیں جا سکتا۔ اسکے لئے صفحات درصفحات درکار ہوں گے۔ جنہوں نے جواب دیا۔ ان کے متعلق رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ:۔

ان علماء میں سے کسی دو کے جواب بھی ایک دوسرے سے ملتے نہیں تھے۔(انگریزی رپورٹ۔ص ۲۱۸)۔

آپ اس رپورٹ پر نہ جائیے۔ مختلف فرقوں کے علماء حضرات سے خود یہ سوال پوچھئے کہ اسلام کسے کہتے ہیں اور مسلمان کی تعریف (Definition) کیا ہے۔ ان کے جواب خود اس رپورٹ کی تائید کر دیں گے۔ ان حقائق کی روشنی میں آپ سوچئے کہ جب یہ کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں نے اسلام کو چھوڑ دیا ہے، تو اس کا متعین مفہوم کیا ہے؟ جب ہم متعین اور متفق طور پر یہی نہیں بتا سکتے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں اور اسلام کیا ہے تو ایسا کہنے کا مفہوم کیا ہوگا کہ ''مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔'' یہ وجہ ہے جو ہم صدیوں سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں کہ مسلمانوں نے اسلام چھوڑ دیا ہے اور مسلمان ہیں کہ اسلام کو اختیار کرنے کا سوچتے تک نہیں۔ یہ اس لئے کہ انہیں پتہ ہی نہیں کہ انہوں نے کیا چھوڑ دیا ہے اور انہیں کیا اختیار کرنا چاہئے۔ ہم اتنا واضح کر دیں کہ مختلف فرقے اپنے اپنے فرقہ کے تصور کا اسلام تو بتا دیں گے۔ لیکن وہ اسلام جو ساری امت میں قدر مشترک ہے، جس کی طرف نسبت سے وہ امت، امت مسلمہ کہلاتی ہے اور جس کے متعلق شکایت ہے کہ اس نے اسے چھوڑ دیا ہے، اس کی بابت کوئی کچھ نہیں بتا سکے گا کہ وہ ہے کیا؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر اور تو اور، آپ خود بھی وقف تعجب ہو جائیں گے کہ جس بات کے متعلق کبھی ہم نے اتنا سوچنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ یہ بھی ایسا سوال ہے جس پر غور کرنا چاہئے، وہ بات کس قدر اہم اور بنیادی نکلی۔ اس کے بعد آپ کے دل میں یہ سوال پیدا ہوگا کہ ہم تو خیر عامی ہیں۔ دین کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہیں، اس لئے ہم اس سوال کا جواب نہیں دے سکتے۔ لیکن ہمارے علماء کرام کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ بھی اس سوال کا متفق علیہ جواب نہیں دے سکتے۔ اور جب ان کی یہ کیفیت ہے تو پھر وہ امت میں اپنی موجودہ پوزیشن کو کس طرح قائم رکھے ہوئے ہیں اور لوگوں کو اسلام کے متعلق مطمئن کس طرح کر دیتے ہیں؟

اس کی ایک خاص ٹیکنیک ہے اور وہ یہ کہ انہوں نے کچھ اصطلاحات وضع کر رکھی ہیں جن کا تقدس عوام کے دلوں میں راسخ کر دیتے ہیں۔ ان اصطلاحات کو مبہم رکھا جاتا ہے۔ یعنی ان کا واضح مفہوم بیان نہیں کیا جاتا۔ ہر موقع پر اس اصطلاح کو استعمال کر دیتے ہیں اور بس۔۔ مثلاً ان میں بنیادی اصطلاح خود اسلام ہے۔ آپ آئے دن ان حضرات کی زبانی اس قسم کے الفاظ سنتے رہتے ہیں کہ ''اسلام کا حکم یہ ہے'' اس معاملہ میں ''اسلام کا منشاء یہ ہے''۔ اس باب میں ''اسلام یہ کہتا ہے۔'' اب ظاہر ہے کہ ''اسلام'' کسی شخص کا نام نہیں جس کے متعلق سمجھا جا سکے کہ وہ ایسا کہتا ہے یا اس کا حکم یہ ہے۔ اس کے لئے کوئی سند یا حوالہ ہونا چاہئے جہاں سے معلوم ہو سکے کہ کون ایسا کہتا ہے۔ یہ کس کا حکم ہے۔ لیکن یہ حضرات کبھی حوالہ نہیں دیں گے، اسے ہمیشہ مبہم رکھیں گے۔ اس

لئے کہ جب یہ کہیں گے کہ ''اسلام کا یہ فیصلہ ہے'' تو اکثر و بیشتر یہ فیصلہ ان کا اپنا ہوگا جسے یہ اسلام کا فیصلہ کہہ کر پیش کر دیں گے اور یا ان کے فرقہ کا فیصلہ۔ اب ظاہر ہے کہ کسی فرقہ کا فیصلہ تو اسلام کا فیصلہ نہیں کہلا سکتا۔ لیکن یہ اسے دانستہ مبہم رکھیں گے۔

اس قسم کی ایک اصطلاح ہے ''اسلامی شریعت'' یا ''شریعتِ حقہ''۔ آئے دن اس قسم کے الفاظ سننے میں آتے ہیں کہ شریعت کا یہ حکم ہے۔ شریعت کا یہ فیصلہ ہے۔ یہ از روئے شریعت ناجائز ہے۔ آپ دل میں سمجھتے ہوں گے کہ یہ اسلام کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہ بھی درحقیقت کسی فرقہ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں ہر فرقہ کی شریعت الگ الگ ہے۔ جسے آپ ''اسلام کی شریعت'' کہیں گے۔۔۔ یعنی وہ شریعت جسے تمام مسلمان متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کریں' اس کا کہیں وجود نہیں۔

ایک اصطلاح ''سنت رسولؐ اللہ'' ہے۔ اس کے متعلق تو آپ سمجھتے ہوں گے کہ یہ تمام مسلمانوں میں متفقہ علیہ ہوگی کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ گرامی تو ایک ہی تھی اس لئے حضور ﷺ کی سنت بھی ایک ہی ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں۔ سنت رسولؐ اللہ بھی ہر فرقہ کی الگ الگ ہے۔ حتیٰ کہ ''سنت'' کی تعریف (Definition) تک بھی مختلف۔

یہ (اور اسی قسم کی کئی ایک اور) اصطلاحات ہمارے ہاں صدیوں سے رائج چلی آ رہی ہیں۔ لیکن ہمارے زمانے میں چونکہ سیاست کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ہے اس لئے اب قدیم اصطلاحات کے بجائے' جن کا تعلق ''مذہب'' سے سمجھا جاتا ہے' نئی نئی اصطلاحات وضع کی جا رہی ہیں۔ ان میں ایک اصطلاح ''اقامت دین'' ہے۔ اس اصطلاح کی پبلسٹی تو بہت زیادہ ہوتی ہے' لیکن اسکا متعین مفہوم آج تک نہیں بتایا گیا۔ اگر اس اصطلاح کے مدعی اس کا مفہوم واضح کر دیں تو مختلف فرقوں کے علماء شور مچا دیں کہ جسے تم دین کہتے ہو' وہ دین ہے ہی نہیں۔ لہٰذا' ان حضرات نے بھی اسی میں خیریت سمجھ رکھی ہے کہ اس اصطلاح کو مبہم رکھا جائے۔

اب ''دین'' کے بجائے نظام کا لفظ زیادہ پاپولر ہو رہا ہے۔ اسکی بنا پر ایک اصطلاح ''اسلامی نظام'' ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہمارے ہاں خود اسلام کا مفہوم ہی متعین نہیں' اس لئے ''اسلامی نظام'' کی اصطلاح بھی شرمندۂ معنی نہیں ہوئی' نہ ہوسکتی ہے۔

اصل یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی سیاست میں جس مقصد کے لئے سلوگن وضع اور اختیار کئے جاتے ہیں اس مقصد کے لئے ہمارے ہاں کے مذہبی طبقہ میں اس قسم کی اصطلاحات وضع کی جاتی ہیں۔ سلوگن سے مراد ہوتی ہے ایسے الفاظ جن کا مفہوم متعین نہ ہو لیکن جنہیں عوام میں پاپولر بنا کر فریقِ مقابل کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اگر ذرا بنظرِ تعمق دیکھا جائے تو یہ حقیقت سمجھ میں آ جائے گی کہ زمانۂ قدیم کے عصرِ سحر (Age of Magic) میں جو کام' جنتر منتر' ٹونا ٹوٹکا سے لیا جاتا تھا' وہی کام عصرِ رواں میں سلوگن سے لیا جاتا ہے۔ جنتر منتر یا ٹونے ٹوٹکے ایسے الفاظ پر مشتمل ہوتے تھے جن کے متعلق یہ کہ دیا جاتا تھا کہ اگر تم ان الفاظ کو اس طرح اتنی مرتبہ دہراتے جاؤ گے تو تمہارا دشمن مغلوب ہو جائے گا۔ بعینہٖ یہی پوزیشن ہمارے زمانے میں سلوگن نے لے رکھی ہے اور اب یہی کام ہمارے ہاں اصطلاحات سے لے لیا جاتا ہے۔

پھر جس طرح ایک سلوگن کچھ عرصہ کے بعد' کثرتِ استعمال سے غیر مؤثر ہو جاتا ہے اسی طرح ہمارے ہاں کی اصطلاحات بھی کچھ عرصہ کے بعد اپنا اثر کھو دیتی ہیں۔ کسی زمانے میں جو اثر' اقامت دین۔ حکومت الٰہیہ۔ اسلامی نظام وغیرہ قسم کی اصطلاحات پیدا کیا کرتی تھیں' اب یہ اس قسم کا اثر پیدا نہیں کرتیں۔ اس بنا پر ضرورت تھی کہ ایک نئی اصطلاح وضع کی جائے اور وہ اصطلاح ہے ''نظامِ مصطفیٰؐ'' چونکہ حضورؐ کی ذاتِ گرامی کا تعلق ہمارے نہایت گہرے قلبی جذبات سے ہے' س لئے یہ اصطلاح' سابقہ اصطلاحات کے مقابلہ میں' عوام کے لئے زیادہ مؤثر اور پرکشش ہے۔ لیکن آپ نے دیکھا ہوگا کہ اس اصطلاح کو بھی مبہم رکھا جا رہا ہے۔ اس لئے کہ سنت رسولؐ اللہ کی طرح ہر فرقہ کا نظامِ مصطفیٰؐ کا تصور اپنا اپنا ہے۔

مختلف فرقوں کے علماء تو ایک طرف' خود حنفیوں میں بریلوی اور دیوبندی حضرات کے نزدیک اس کا مفہوم الگ الگ ہے۔ موجودہ ہنگاموں میں' بریلوی فرقہ کی نمائندگی مولانا نورانی کر رہے ہیں اور دیوبندی فرقہ کی مفتی محمود صاحب اور ان دونوں میں ''نظام مصطفیٰؐ'' تو ایک طرف ''مقام مصطفیٰؐ'' تک میں شدید اختلاف ہے۔ لہٰذا ان کی سیاسی مصلحت کا تقاضا ہے کہ اس اصطلاح (نظام مصطفیٰؐ) کو مبہم رکھا جائے..... اس کا کوئی ایسا مفہوم پیش ہی نہیں کیا جا سکتا جسے تمام فرقوں کے علماء متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس کی وضاحت کا تقاضا کیا جائے تو اسے بلند آہنگ الفاظ کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے۔۔۔ مثلاً حال ہی میں ''نوائے وقت'' میں اس عنوان پر کہ ''نظام مصطفیٰؐ کیا ہے''۔۔۔ دو مبسوط مقالات شائع ہوئے ہیں۔ ایک مقالہ میں کہا گیا ہے کہ نظام مصطفیٰؐ:۔

> اخلاقی لحاظ سے نظامِ مساوات۔۔ سیاسی لحاظ سے نظامِ حفاظت و عدل۔۔ معاشی لحاظ سے نظامِ عدل و کفالت۔۔ روحانی لحاظ سے نظام ذکر و فکر اور للّٰہیت۔۔ معاشرتی لحاظ سے نظامِ اخوت ہے۔ (نوائے وقت۔ ۲۹ جولائی ۱۹۷۷ء)۔

دوسرے مقالہ میں کہا گیا ہے۔۔۔ نظامِ مصطفیٰؐ کیا ہے؟

> کائنات گیر علم۔۔ یزداں شعار عبادت۔۔ پاکیزہ اخلاق۔۔ عظیم سیاست۔۔ علم خوفِ خدا کا سبب' اور خوفِ خدا دانش کی انتہا۔ (نوائے وقت' ۱۵ اگست ۱۹۷۷ء)۔

اس قسم کے ہیں حریر و اطلس کے وہ نرم و نازک پردے جن میں اس مصلحت (یا حکمت عملی) کو چھپایا جاتا ہے کہ اس نظام کا متعین مفہوم عوام کی نگاہوں سے اوجھل رہے۔۔ کیونکہ اس کی وضاحت سے اس دعویٰ کا پردہ چاک ہو جاتا ہے کہ اس مطالبہ میں تمام فرقوں کے نمائندے متفق ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف نہیں۔۔۔ یہ کتمانِ حقیقت کی اسی قسم کی سعیٔ ناکام ہے جس کی مثال پہلے بھی ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ ۱۹۵۱ء میں مختلف فرقوں پر مشتمل اکیس علماء نے یہ مطالبہ پیش کیا کہ مملکت کا ضابطۂ قوانین ''کتاب و سنت'' کے مطابق مرتب کیا جائے گا اور اس کے بیس برس بعد' ''متفقہ مطالبہ'' کا پردہ خود ان ہاتھوں کو' جنہوں نے یہ پردہ لٹکایا تھا' یہ کہہ کر اٹھانا پڑا کہ:

> کتاب و سنت کی رو سے پبلک لاز کا کوئی ایسا ضابطہ مرتب نہیں کیا جا سکتا جسے مختلف فرقے متفق طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ (مودودی صاحب)

اس سے' اکتیس علماء کے اس مطالبہ کا بھانڈا پھوٹ گیا جسے وہ ۱۹۵۱ء سے متفقہ طور پر اسلامی کہہ کر پیش کرتے چلے آ رہے

تھے۔ یہ بیس پچیس برس تو خیر، نظری بحثوں میں گذر گئے۔ لیکن ہوسکتا ہے کہ اب یہ مطالبہ عملی شکل اختیار کر لے اور اس وقت اس اصطلاح کا متعین مفہوم سامنے لائے بغیر چارہ نہ رہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اگر اکتوبر ۷۷ء کے مجوزہ انتخابات کے نتیجے میں، زمامِ حکومت نظام مصطفیؐ کے مدعیوں کے ہاتھ میں آ گئی تو سب سے پہلا مرحلہ، پبلک لاز کا متفق علیہ ضابطہ مرتب کرنے کا درپیش ہوگا۔ اور ظاہر ہے کہ مختلف فرقوں کے یہ نمائندے ایسا ضابطہ مرتب کر ہی نہیں سکیں گے۔ سوال یہ ہے کہ اس وقت کیا ہوگا؟

تحریک پاکستان کی بنیاد دو اصولوں پر استوار تھی۔ (۱) دو قومی نظریہ اور (۲) نظریۂ پاکستان یعنی اسلام کی بنیادوں پر ایک آزاد مملکت کا قیام۔ ہندو (اور ان کی ہمنوائی میں دنیا بھر کی دیگر اقوام) کہتے تھے کہ ان بنیادوں پر کوئی مملکت استوار نہیں ہوسکتی۔ وہ زمانہ لد گیا جب مذہب کی بنیاد پر سلطنتیں قائم کی جایا کرتی تھیں۔ اب ایسا نہیں ہوسکتا۔

سقوط ڈھاکہ کے المیہ پر ہندو، اور ان کے ہم نواؤں نے، بانگِ دہل اعلانات کئے کہ دیکھا ناں! جو کچھ ہم کہتے تھے وہ کس طرح سچ ثابت ہوا۔ دو قومی نظریہ کس طرح ناکام رہا؟ اور اس کے ساتھ انہوں نے یہ بھی کہہ دیا کہ جس طرح دو قومی نظریہ ناکام ثابت ہوا ہے، تم دیکھو گے کہ تمہارا دوسرا نظریہ، یعنی مذہب کی بنیادوں پر مملکت کی تشکیل۔۔ بھی اسی طرح ناکام ثابت ہوگا۔

اب، جب مختلف فرقوں کے علماء پر مشتمل پارلیمان، ایک متفق علیہ اسلامی ضابطۂ قوانین مرتب کرنے میں ناکام رہی، تو ہمارے یہی دشمن ڈھول پیٹ پیٹ کر اعلان کریں گے کہ دیکھا! جو کچھ ہم کہتے تھے وہ بالآخر سچ ثابت ہو کر رہا یا نہیں!

یہ اسی روزِ بد کا لرزہ انگیز احساس ہے جو ہمیں ان حضرات کی خدمت میں گذارش کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ اگر آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ آپ جو کچھ کر رہے ہیں اس کا نتیجہ مملکت کا استحکام اور اسلام کا احیاء ہوگا، تو آپ جس قدر جلد اس غلط فہمی کو دور کر دیں گے اتنا ہی اچھا ہوگا۔ آپ کی موجودہ روش سے مملکت کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی اور اسلام دنیا کی نظروں میں اضحوکہ بن جائے گا۔ اگر آپ فی الواقعہ اسلام کا احیاء چاہتے ہیں تو پہلے یہ طے کر لیجئے کہ اگر قانون سازی کے اختیارات آپ کے ہاتھ میں آ گئے تو آپ وہ ضابطہ حیات کس طرح مرتب کریں گے جو آپ سب کے نزدیک متفقہ طور پر اسلامی قرار پائے۔

اگر یہ حضرات ایسا کرنے پر آمادہ نہ ہوں، تو ہم قوم سے بزور گذارش کریں گے کہ وہ آنکھیں بند کر کے ان کے سلوگنوں کے پیچھے بھاگنے کے بجائے، ان سے مطالبہ کرے کہ وہ اس سوال کا واضح الفاظ میں جواب دیں۔

اس سوال کا جواب کچھ بھی مشکل نہیں۔ اسے غور سے سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

(۱) جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، نظام مصطفیؐ کے مدعی مختلف فرقوں سے متعلق ہیں۔ ان میں، ہر فرقہ کی فقہ (ضابطۂ قوانین) الگ الگ ہے۔ اب ظاہر ہے کہ جب تک یہ حضرات اپنی اپنی فقہ کو غیر متبدل اسلامی شریعت قرار دیتے رہیں گے، کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جسے یہ

سب اسلامی تسلیم کرلیں۔ ان کے باہمی اختلافات کی شدت کا یہ عالم ہے کہ ان میں سے ہر فرقہ نے دوسرے فرقوں کے خلاف کفر کے فتوے لگا رکھے ہیں۔

(۲) ان سب میں صرف ایک چیز مشترک ہے اور وہ ہے قرآن مجید۔ لہٰذا' ان کے ایک نقطہ پر جمع ہونے کا' اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ یہ اپنی اپنی فقہ سے صرف نظر کر کے' قرآن مجید کو ضابطۂ قوانین کی بنیاد قرار دیں اور اسے قول فیصل اور حرف آخر تسلیم کریں۔

(۳) قرآن کریم سلوگن نہیں دیتا۔ وہ ہر بات کو واضح طور پر بیان کرتا ہے۔ **تبیانا لکل شئ** (۱۶/۸۹) اس کا دعویٰ ہے۔ یعنی ہر بات کو نکھار اور ابھار کر بیان کرنے والی کتاب۔

(۴) اس میں کوئی اختلافی بات نہیں۔ اس نے اپنے منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہی یہ دی ہے۔ **ولو کان من عند غیر اللہ لوجد وافیہ اختلافا کثیرا** (۴/۸۲)۔ اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو لوگ اسمیں بکثرت اختلافات پاتے۔ لہٰذا قرآن مجید کو قدر مشترک تسلیم کر لینے کے بعد کوئی اختلاف باقی نہیں رہ سکتا۔

(۵) **الدین**۔ یعنی نظام خداوندی۔ کے معنی ہیں خدا کو حاکم یا حَکم (ہر معاملہ میں فیصلہ دینے والا) تسلیم کرنا۔ **ان الحکم الا للہ** ۔ حکم صرف خدا کا واجب الاطاعت ہے۔۔۔ **امر الا تعبدوا الا ایاہ** ۔ اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی محکومیت (اطاعت) اختیار نہ کرو۔

(۶) خدا کو حاکم یا حَکم تسلیم کرنے کا عملی طریق اس کی کتاب کو حَکم تسلیم کرنا ہے۔ (رسولؐ اللہ کی زبانِ مبارک سے قرآن کریم میں اعلان کرایا گیا کہ) **افغیر اللہ ابتغی حکما و ھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا** (۶/۱۱۵) کیا میں خدا کے سوا کسی اور کو حَکم تسلیم کروں' درآں حالیکہ اس نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کر دی ہے جو تمام معاملات کو نکھار کر بیان کر دیتی ہے۔۔۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ کتاب اللہ کو حَکم ماننے سے خدا کو حَکم مانا جاتا ہے۔

(۷) یہی کتاب کفر اور اسلام میں حدِ امتیاز ہے۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون** (۵/۴۴)۔ جو کتاب خداوندی کو حَکم تسلیم نہیں کرتا' تو ایسے ہی لوگوں کو کافر کہا جاتا ہے۔

(۸) خود رسولؐ اللہ کو بھی یہی حکم دیا گیا تھا کہ:

فاحکم بینھم بما انزل اللہ۔ (۵/۴۸)۔

اے رسول! تو ان میں کتاب اللہ کے مطابق فیصلے کیا کرو۔

(۹) یہی دین اللہ ہے۔ (۳/۸۲)۔ اسی کا نام الاسلام ہے۔ یعنی کتاب اللہ کو حَکم تسلیم کرنا۔ **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ۔** (۳/۸۴)۔ جو شخص اس کے سوا کوئی اور دین (نظام) اختیار کرے گا' تو بارگاہ خداوندی میں اسے شرف قبولیت حاصل نہیں ہوگا۔ وہ مردود قرار پائے گا۔

واضح رہے کہ چونکہ خدا نے اسلام کو دین اللہ کہا ہے

اس لئے اس کا ترجمہ دین خداوندی ہی کرنا چاہئے خدا کے رسولؐ دین اللہ کو لوگوں تک پہنچانے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔ خود کوئی دین وضع نہیں کرتے تھے۔ اس لئے اسلام کو دین مصطفیٰؐ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اسے دین اللہ ہی کہنا چاہئے۔

(۱۰) سوال پیدا ہوگا کہ اس کی پہچان کیا ہوگی کہ ہم میں دین اللہ (یا نظام خداوندی) قائم ہے یا نہیں؟ اس کی اولین پہچان یہ ہے کہ جس قوم میں دین اللہ قائم ہو اس میں مذہبی فرقے نہیں رہ سکتے۔ جہاں مذہبی فرقے ہوں گے نہ وہاں دین اللہ (نظام خداوندی) ہوگا اور نہ ہی ان کے ساتھ رسولؐ اللہ کا کوئی تعلق۔ اس باب میں خدا کا ارشاد نہایت واضح ہے کہ:۔

ان الذین فرقوا دینھم و کانوا شیعا لست منھم فی شئ (۶/۱۶۰)۔

جو لوگ دین میں تفرقہ پیدا کر دیں اور خود بھی ایک گروہ بن کر بیٹھ جائیں۔ اے رسول! تیرا ان لوگوں سے کوئی تعلق واسطہ نہیں رہے گا۔

جو لوگ فرقوں پر قائم رہتے ہوئے ''نظام مصطفیٰؐ'' کے مدعی ہیں' انہیں اس ارشادِ خداوندی پر غور کرنا چاہئے۔ جب (فرمانِ خداوندی کی رو سے) مصطفیٰؐ کا ان سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا' تو انہیں ''نظام مصطفیٰؐ'' کے دعوے دار ہونے کا حق کس طرح پہنچ سکتا ہے؟

ملک میں جو لوگ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں' ہماری ان سے گذارش ہے کہ وہ ان ارشاداتِ خداوندی پر غور کریں اور سوچیں کہ مختلف فرقوں کے نمائندوں کا یہ دعویٰ کہ وہ ''نظام مصطفیٰؐ'' (یا اسلامی نظام) قائم کریں گے' کس طرح حق پر مبنی ہوسکتا ہے؟

(طلوع اسلام' ستمبر 1977ء)

صاحب طرز ادیب، شاعر اور قرآنی دانشور

فضل کریم فضل

کی

قرآنی موضوعات پر دانشوارانہ

تصنیف و تالیف

قرآن اور پاکستان

جس میں نظم و نثر کے حسین امتزاج کے ساتھ مندرجہ ذیل اہم موضوعات پر قرآنی تعلیمات پیش کی گئی ہیں۔

- ☆ دین میں جبر نہیں
- ☆ ہبوط آدم
- ☆ امام کیا ہے اور امامت کیا؟
- ☆ اسلامک آئیڈیالوجی کیا ہے؟
- ☆ دین۔ اجتماعی نظام
- ☆ اسلام آگے چلا، یا نہیں؟
- ☆ تکذیب دین
- ☆ ہماری تاریخ میں کیا ہے؟
- ☆ دین اور مذہب
- ☆ فرقے کیسے مٹ سکتے ہیں؟
- ☆ مذہب کی چیرہ دستیاں۔
- ☆ آزادی کا قرآنی مفہوم۔
- ☆ علامہ پرویزؒ
- ☆ پاکستان کا معمار اول
- ☆ عقیدہ وطنیت
- ☆ پاکستان

خصوصی رعایتی قیمت (علاوہ ڈاک و پیکنگ خرچ 250 روپے)

ملنے کا پتہ:۔ طلوع اسلام ٹرسٹ، 25 بی، گلبرگ 2، لاہور 54660۔

Email: trust@toluislam.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

''غیر مسلموں کے نیک کاموں کے ثواب کا مسئلہ''

سوال

غیر مسلموں کے نیک اعمال کا بدلہ۔

کہا جاتا ہے کہ نجات صرف مسلمان کی ہوسکتی ہے۔ کافر کی نہیں ہوسکتی۔ ایک غیر مسلم بڑے نیک کام کرتا ہے۔ وہ جھوٹ نہیں بولتا۔ چوری نہیں کرتا۔ کسی کو ستاتا نہیں۔ خیرات کرتا ہے۔ غریبوں کی مدد کرتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو کیا اسے اس کے ان نیک کاموں کا کوئی اجر نہیں ملے گا اور اس کی اس لئے نجات نہیں ہوگی کہ وہ مسلمان نہیں ہوا اور ایک مسلمان محض اس لئے جنت میں چلا جائے گا کہ وہ مسلمان تھا خواہ اس کے اعمال کتنے ہی خراب کیوں نہ ہوں۔ اس سوال نے مجھے ایک مدت سے پریشان کر رکھا ہے اور اس کا تسلی بخش جواب کہیں سے نہیں ملتا۔

جواب

اس سوال نے صرف آپ ہی کو پریشان نہیں کر رکھا۔ بہت سوں کو پریشان کر رکھا ہے اور اس کا تسلی بخش جواب اس لئے نہیں ملتا کہ بنیادی طور پر یہ بات صاف نہیں کی جاتی کہ اسلام کہتے کسے ہیں اور کفر ہوتا کیا ہے۔ یہ بنیادی چیز سمجھ میں آ جائے تو اس (بظاہر) پریشان کن سوال کا جواب آسانی سے مل جاتا ہے لہٰذا پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ اسلام کے معنی کیا ہیں؟ یہ ہے کیا؟ کفر اور اسلام میں فرق کیا ہے؟ عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ کفر اور اسلام میں فرق صرف کھانے پینے کی چیزوں میں جائز اور ناجائز کی تمیز یا پرستش کے طور طریقوں میں اختلاف ہے۔ اصل سب مذاہب کی ایک ہی ہے۔ مولانا آزاد مرحومؒ کے الفاظ میں ''عالمگیر سچائیاں ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔ فرق صرف ظاہری اعمال و رسوم میں ہے اور اس فرق کا نجات وسعادت سے کچھ تعلق نہیں۔'' یہ ہے اسلام کے متعلق وہ بنیادی غلط فہمی جس کی وجہ سے وہ تمام سوالات سینے میں ابھرتے ہیں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ اور جو وجہِ خلش و اضطراب بنتے ہیں۔

قرآن کریم چند مستقل اقدار۔ چند غیر متبدل

اصول۔ چند ابدی حقائق عطا کرتا ہے جن کی بنیادوں پر انسانی معاشرہ کی تشکیل ہوتی ہے۔کفر' ان اقدار' اصول اور حقائق سے انکار کا نام ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جن باتوں کو عام طور پر ''نیک کام'' کہا جاتا ہے (اور جن کی مثالیں آپ نے بھی پیش کی ہیں)' اس معاشرہ میں جو خلاف قرآن بنیادوں پر استوار ہوتا ہے' ان کی حقیقت اور وزن کیا ہوتا ہے؟ یہ بات ایک مثال سے سمجھ میں آ سکے گی۔ ہندو نظریہء حیات کی رو سے انسانوں کی تفریق وتقسیم پیدائش کی رو سے ہو جاتی ہے۔ برہمن کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ' محض پیدائشی نسبت سے' ہر شخص کے نزدیک واجب الاحترام ہوتا ہے اور اسے معاشرہ میں وہ مقام اور حقوق حاصل ہوتے ہیں جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس' شودر کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ' تمام عمر ذلت اور پستی کی زندگی بسر کرتا ہے اور کوئی طریق ایسا نہیں جس سے وہ معاشرہ میں عزت اور وقار کا مقام حاصل کر سکے۔ خواہ اس کے جوہر ذاتی کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ (اب یہی تفریق و تقسیم دولت کی رو سے ہوتی ہے۔ امیر آدمی کے گھر میں پیدا ہونے والا بچہ' ابتدا ہی سے جس مقام پر فائز ہوتا ہے غریب آدمی کا بچہ ساری عمر اس کا تصور نہیں کرسکتا۔ روح وہی ہے۔ صرف پیکروں کی تبدیلی ہوتی ہے۔

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات)

برہمن ساری عمر اس نظریہء زندگی کی تلقین کرتا رہتا ہے' اور اسے خدائی تفریق قرار دیتا ہے جسے دنیا کا کوئی انسان مٹا نہیں سکتا۔ ہندو معاشرہ کی تشکیل اسی نظریہء حیات کے مطابق ہوتی ہے۔ اب آپ سوچئے کہ اگر یہ برہمن' ساری عمر جو اس معاشرہ کے بندھنوں کو مضبوط سے مضبوط کرتا رہتا ہے اور اس طرح کروڑوں انسانوں کو ذلت وخواری کے جہنم میں دھکیلتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ کہے کہ وہ چوری نہیں کرتا۔ جھوٹ نہیں بولتا۔ یا وہ مویشیوں کے پانی پینے کے لئے پیاؤ بنواتا ہے۔ کوڑھیوں کی جھولی میں بھیک کے ٹکڑے ڈالتا ہے یا اس قسم کے اور ''دان پُن'' کا کام کرتا ہے۔ تو کیا اس کی یہ انفرادی ''نیکیاں'' انسانیت کی میزان میں کچھ بھی وزن رکھیں گی؟ کیا معاشرہ کو غلط بنیادوں پر استوار کرنے کا وہ جرم عظیم جس کا یہ مرتکب ہوتا ہے' ان ''نیکیوں'' کے صدقے میں قابل معافی تصور کیا جا سکے گا؟ اگر میزان کے ایک پلڑے میں یہ نیکیاں رکھی جائیں اور دوسرے پلڑے میں اس کا وہ جرم' تو سوچئے کہ ان میں سے کون سا پلڑا بھاری ہوگا؟ ہماری بھول یہ ہے کہ ہم اس قسم کی انفرادی نیکیوں کو بہت بڑے ثواب کا کام سمجھتے ہیں اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ وہ اصول ومبانی کیا ہیں جن کے مطابق انسانوں کی ہیئت اجتماعیہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ اصل شئے' وہ نظام ہے جسے انسان قائم کرتا اور اس کے اندر زندگی بسر کرتا ہے۔ اگر وہ نظام صحیح ہے تو اس کے اندر اس قسم کی انفرادی نیکیاں انسانیت ساز نتائج مرتب کرتی ہیں اگر وہ نظام ہی باطل کی تخریبی بنیادوں پر استوار ہے تو اس میں افراد کی اس قسم کی نیکیاں اس جرم کا کفارہ نہیں بن سکتیں جو انسانیت کا گلا گھونٹنے کے لئے روا رکھا جا رہا ہے۔

قرآن کریم یہودیوں کے متعلق کہتا ہے کہ انہوں نے نظام زندگی ایسا قائم کر رکھا تھا جس میں خود ان کے اپنے افراد ایک دوسرے کا گلا کاٹتے تھے اور بالادست لوگ کمزوروں اور ناتوانوں کو ان کے گھروں سے نکال باہر کرتے تھے۔ اس کے بعد جب ان لوگوں کو دوسرے لوگ قید کر لیتے تھے تو یہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتے تھے اور اسے بڑا نیکی کا کام تصور کرتے تھے۔ حالانکہ **وھو محرم علیکم اخراجھم۔** خود ان لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دینا سخت جرم تھا۔ اس جرم کے ارتکاب پر تو ان کے دل میں کوئی خلش پیدا نہیں ہوتی تھی لیکن قیدیوں کو چھڑا کر ثواب حاصل کرنے کے لئے وہ آگے بڑھتے تھے۔ اس کے بعد قرآن کریم نے ایک عظیم اصول بیان کیا ہے جو اس باب میں بڑی واضح راہ نمائی دیتا ہے۔ وہ ان سے کہتا ہے **افتو منون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔** کیا تم یہ طرز عمل اختیار کرنا چاہتے ہو کہ ضابطہء خداوندی کے ایک حصہ پر ایمان رکھو اور اس کے دوسرے حصے سے انکار کرو۔ اگر یہی روش جاری رکھنا چاہتے ہو تو سن رکھو کہ **فما جزاء من یفعل ذالک منکم الا خزی فی الحیوۃ الدنیا۔ ویوم القیمۃ یردون الی اشد العذاب ﴿۲/۸۵﴾۔** اس روش کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوگا کہ اس دنیا میں بھی ذلت وخواری کی زندگی بسر کرو گے اور قیامت میں سخت ترین عذاب میں مبتلا ہو گے۔ آپ نے غور کیا کہ قرآن کریم نے یہاں کس قدر بلیغ اور بلند اصول بیان کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا بہر حال ایک نیک کام ہے جس کا اجر ملنا چاہئے۔ لیکن قرآن کہتا ہے کہ انسانیت پر ظلم کرنے والے غلط نظام کے اندر اس قسم کی انفرادی نیکیاں موجب ثواب نہیں بن سکتیں۔ اس جرم کا سیلاب، اس قسم کی جزئی ''مرمتوں'' کو بہا کر لے جاتا ہے اور اس تمام عمل کا کلی نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

اس قسم کی غلط ذہنیت قریش مکہ کی تھی جس کی طرف ان کی توجہ مبذول کراتے ہوئے ان سے کہا گیا کہ **اجعلتم سقایۃ الھاج وعمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ والیوم الاخر وجاھد فی سبیل اللہ۔** کیا تم سمجھتے ہو کہ حاجیوں کو پانی پلانے کے لئے سبیلیں لگا دینا یا خانہ کعبہ کی تعمیر وتزئین کے کاموں میں حصہ لینا اس شخص کے اعمال کے برابر ہے جو صحیح نظام زندگی کی ابدی حقیقتوں (ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت) پر یقین رکھتا ہے اور پھر اس نظام کے قیام اور استحکام کے لئے مسلسل جدوجہد کرتا رہتا ہے؟ تم اپنے ذہن سے کچھ ہی کیوں نہ فیصلہ کر لو۔ **لا یستون عنداللہ۔** میزان خداوندی میں ان کا وزن برابر نہیں ہوسکتا۔ غلط نظام قائم کرنے والے اس قسم کے انفرادی نیک کاموں کے باوجود ظالم کے ظالم رہتے ہیں اور خدا کا قانون یہ ہے کہ ظلم کرنے والوں پر نجات وسعادت کی راہیں کبھی کشادہ نہیں ہوتیں۔ **واللہ لا یھدی القوم الظالمین ﴿۹/۱۹﴾۔**

ہمارا خیال ہے کہ ان مختصر سی توضیحات سے یہ

حقیقت آپ کے سامنے آ گئی ہو گی کہ ''کافر'' کے نیک اعمال میزان خداوندی میں وزن کیوں نہیں رکھتے! جو شخص کسی مملکت کے خلاف بغاوت کے لئے اٹھ کھڑا ہو' وہ ذاتی طور پر کتنا ہی اچھا شہری کیوں نہ ہو اس کی یہ انفرادی خوبیاں جرم بغاوت کا کفارہ نہیں بن سکتیں۔ کفر' درحقیقت نظام خداوندی کے خلاف بغاوت کا نام ہے۔۔۔خواہ وہ بغاوت عملی ہو یا ذہنی (اعتقادی)۔

باقی رہا یہ کہ مسلمان' بغیر نیک اعمال کے بھی جنت میں چلا جائے گا تو یہ ''حدیث بے خبراں'' ہے۔ جس کا حقیقت سے کچھ تعلق نہیں۔ جنت تو نام ہی اعمال کے فطری نتائج کا ہے۔ **وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔ (۴۳/۷۲)**۔ البتہ اس ضمن میں دو ایک بنیادی باتوں کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

(۱) اگر کہیں صحیح قرآنی نظام قائم ہے۔۔۔ یا اس کے قیام کے لئے جدوجہد کی جا رہی ہے تو اس میں اگر کسی سے سہواً اور خطاءً کوئی چھوٹی موٹی لغزش ہو گئی ہے اور وہ اس پر نادم ہو کر آئندہ اس سے محتاط رہتا ہے تو اس کے اعمال حسنہ کا پلڑا بھاری رہے گا۔

(۲) اگر مسلمان بھی غیر قرآنی نظام پر رضامند ہو چکا ہے تو اس نظام کے اندر اس کی انفرادی نیکیاں وہ نتائج مرتب نہیں کر سکتیں جن کا نتیجہ جنت کی زندگی ہوتا ہے۔ ہم (مسلمان) صدیوں سے اس غلط ذہنیت کا شکار ہیں جن کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نیک لوگوں کی نیکیاں بھی کوئی نیک نتیجہ مرتب نہیں کرتیں۔ یہی وہ غلط ذہنیت ہے جس کی اصلاح کے لئے قرآن کریم نے واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق کی طرف کرتے ہو یا مغرب کی طرف۔ نیکی تو اس کی ہے جو

(i) خدا پر۔ آخرت پر۔ ملائکہ پر۔ کتب خداوندی پر اور انبیاء پر ایمان رکھتا ہے۔ (یعنی ان اصولوں پر جو نظام خداوندی کی بنیاد بنتے ہیں)۔

(ii) مال اور دولت کی محبت کے باوجود' اسے ضرورت مند قریبیوں۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ نادار مسافروں۔ محتاجوں کے لئے دے دیتا ہے۔ نیز دوسروں کی غلامی کی زنجیروں سے آزاد کرانے کے لئے۔

(iii) جو نظام صلوٰۃ و زکوٰۃ قائم کرتا ہے۔

(iv) جو اپنے عہد کا پابند ہوتا ہے (اور اس عہد میں بنیادی حیثیت اس عہد کی ہوتی ہے جو اس نے اپنے خدا سے کر رکھا ہوتا ہے اور جس کی رو سے اس نے اپنا مال اور جان خدا کے ہاتھوں بیچ دیا ہوتا ہے۔ (۹/۱۱۰)

(v) جو ان مصائب و مشکلات میں جو اس راہ میں اسے درپیش ہوں' ثابت قدم رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے دعویٰ ایمان کو سچ کر دکھاتے ہیں اور یہی ہیں جنہیں متقی کہا جا سکتا ہے۔ (۲/۱۷۸)۔

نیکی ان لوگوں کی ہے نہ کہ ان کی جو غیر خداوندی نظام پر مطمئن ہو کر بیٹھ جاتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان کا نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اور دیگر انفرادی نیکیاں انہیں جنت کا وارث بنا

دیں گی۔

آپ نے غور فرما لیا کہ غیر مسلموں کی انفرادی نیکیاں تو ایک طرف' خود ان مسلمانوں کی انفرادی نیکیاں' جو غیر خداوندی نظام پر مطمئن ہوں' میزان خداوندی میں کیا وزن رکھتی ہیں؟ انفرادی نیکیاں نہایت ضروری ہیں۔لیکن یہ نیکیاں صحیح نتائج پیدا ہی اس وقت کرتی ہیں جب یہ صحیح قرآنی نظام کے اندر سرزد ہوں۔ غلط نظام میں یہ تعمیر انسانیت کے نتائج مرتب ہی نہیں کرسکتیں۔ دریاؤں اور ندیوں کا میٹھا پانی' انسانوں اور حیوانوں کے لئے زندگی بخش اور زمین مردہ کے لئے حیات آور ہوتا ہے لیکن وہی پانی سمندر کے اندر پہنچ کر' اپنی تمام زندگی بخش صلاحیتیں کھو دیتا ہے۔دہی کے برتن میں جتنا دودھ جی چاہے ڈالتے جائیے۔ سب دہی بنتا جائے گا۔۔قرآنی نظام۔۔ یا اس نظام کے قیام کے لئے جدوجہد۔۔اور اس کے ساتھ اخلاقی نیکیاں۔ یہ ہے وہ پروگرام جسے قرآن ''ایمان اور اعمال صالح'' کی جامع اصطلاح سے تعبیر کرتا ہے اور جس کا لازمی نتیجہ اس دنیا اور اس کے بعد کی زندگی دونوں میں جنت کی وراثت ہے اور یہ پروگرام قرآن کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قمرالدین خان

تاریخ ناقابل تقسیم نہیں ہوتی

سفارتکاری کی زبان میں کئی ایسی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں جن کا مفہوم وہ نہیں ہوتا جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے یعنی انتہائی تلخ بات کو چاشنی میں ڈبو کر سامنے لایا جاتا ہے تاکہ لوگ اسے ہضم کر سکیں۔ جیسے پاکستان میں کوئی بھی شخص اکھنڈ بھارت کی حمایت میں بات نہیں کر سکتا کہ عوام اسے برداشت نہیں کریں گے۔ اس لئے اکھنڈ بھارت کے موید ین کبھی دونوں ملکوں کی تہذیب و ثقافت کو یکساں قرار دیتے ہیں' کبھی کہتے ہیں کہ پاکستان کے بانی اسے سیکولر ریاست بنانا چاہتے تھے' کبھی دونوں ملکوں کے درمیان موجود ''نفرت کی دیواروں'' کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں۔ اب یہ آواز بھی سنائی دی ہے کہ پاکستان بھارت اور بنگلہ دیش مشترکہ تاریخ کے وارث ہیں اور یہ دعوت بھی دی گئی ہے کہ دو سال بعد 1857ء کی جنگ آزادی کی 150 ویں سالگرہ ایک ساتھ مل کر منائیں۔ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹے کی مصداق نظریۂ پاکستان کے مخالفین کو تو اس سے اکھنڈ بھارت کے تصور کو آگے بڑھانے کا سنہری موقع ہاتھ آ گیا ہے لیکن ایسے بہت سے محبّ وطن پاکستانی بھی جو اس تجویز کے پیچھے چھپے محرکات و مضمرات کی حقیقت تک نہیں پہنچ پائے اس کی تائید و حمایت میں میدان میں نکل آئے ہیں۔ اگر ہم غور کرنے کی زحمت کر لیں تو اس نتیجہ پر پہنچنے میں زیادہ دقت نہیں ہوگی کہ 1857ء کی جنگِ آزادی مسلمانوں اور دراندازِ برطانوی طاقت کی جنگ تھی اگر ایسا نہ ہوتا تو انگریز چن چن کر صرف مسلمان فوجیوں اور عام مسلمانوں ہی کو نشانہ نہیں بناتے۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ کتنی تعداد میں مسلمانوں کو شہید کیا گیا' کتنے عالموں اور مجاہدوں کو کالے پانی بھیجا گیا' انہیں قید و بند کی انسانیت سوز صعوبتوں سے دوچار کیا گیا' ان سے چکیاں پسوائی گئیں اور بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر کے رنگون میں قید کر دیا گیا۔ مشترکہ تاریخ کے داعی بتائیں کہ چند کے سوا کتنے ہندو اس جنگ آزادی میں مارے یا قید کئے گئے۔ 1857ء کی جنگ کو ڈیڑھ صدی ہونے کو آئی آج تک مسلمان اس کی پاداش میں انگریزوں کے بدترین انتقام کا نشانہ بنائے جا رہے ہیں۔ برطانوی راج کے دوران تعلیم' تجارت اور روزگار کے دروازے بند کر کے مسلمانوں کو پسماندہ' جاہل اور مفلس رکھا گیا۔ مسلمانوں کا ساتھ نہ دینے کے سبب ہی انگریز ہندوستان میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوئے اور اس کے صلے میں ہندوؤں پر جائز اور ناجائز مراعات کی بارش ہوتی رہی۔ ان کی تربیت کر کے ان کو سیاسی حقوق سے نوازا گیا جبکہ 1947ء میں قیام پاکستان کے سلسلے میں بھی ہندو کانگریس کی ہر بات کو تسلیم اور مسلمانوں کے جائز مطالبات کو بھی مسترد کر دیا گیا۔ یہاں تک کہ طے شدہ اصولوں کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہوئے انگریزوں

نے آخری وقت بھی سرحدوں کی حد بندی میں مسلمان دشمنی اور ہندونوازی کا پورا ثبوت دیا ایسے میں کوئی بھی باشعور شخص مشترکہ تاریخ کے نظریے کو تسلیم نہیں کرسکتا۔

ویسے بھی یہ دانشمندی کی علامت نہیں کہ ہم ''ہماری حالیہ تقسیم سے پہلے کی جنگ آزادی'' پر تو اس لئے فخر کریں کہ اس میں ہندو بھی ہمارے ساتھ تھے لیکن 1947ء کی جس جنگ آزادی میں مسلمانوں کے مقابلے میں ہندو اور انگریز ساتھ ساتھ تھے اس کے ذکر سے کترا کر گزر جائیں۔ جیسے ہم سے کسی گناہ یا جرم کا ارتکاب ہو گیا ہو۔ ہمیں آزادی کی نعمت اسی جنگ 1947ء کے طفیل نصیب ہوئی اور اس پر مشتعل ہو کر ہندوؤں نے ماؤں کی گود سے شیر خوار بچوں کو چھین کر نیزوں پر چڑھایا' پاکدامن ماؤں' بہنوں اور بیٹیوں کی عصمت کو تار تار کیا اور جوانوں بوڑھوں اور خواتین کو زندہ جلایا یا ذبح کر کے ان کی لاشوں پر رقص کیا۔ اس ''اشتراک عمل'' پر بھی تو دانشوروں کے اقوال سامنے آئیں تاکہ عام لوگ حقیقی بھائی چارگی کی طرف بڑھ سکیں۔ اگر 1947ء کی تاریخ پر رائے زنی مشکل ہے تو اور قریب آ جائیے' 1971ء میں جب پاکستان کو سبق سکھانے اور دوقومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کرنے کی غرض سے بھارتی افواج نے پاکستان کو ننگی جارحیت کا نشانہ بنایا اور امریکہ کی مکمل آشیر باد اور روس کی عملی مدد سے پاکستان کو دولخت کر دیا۔ یہ جنگ ہمارے لئے آج بھی اذیت کا باعث ہے۔ دو سال بعد اس کی بھی سلور جوبلی منائی جائے گی۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں ہمارے شریکِ محاذ کیا اس سلور جوبلی کے موقع پر ہمارے اس ''جشن غم'' کو بھی مشترکہ طور پر منانے کو تیار ہیں؟

تاریخ کی دو خصوصیات ہمارے پیش نظر رہنی چاہئیں ایک تو یہ کہ اس پر جھوٹ کا ملمع نہیں چڑھایا جا سکتا' یہ تو ممکن ہے کہ کوئی ظالم و جابر یا آمر مطلق کسی ضمیر فروش قلمکار کو خرید کر کسی واقعہ میں جھوٹ کی آمیزش کروا دے لیکن یہ وقتی ہی ثابت ہوگا اس لئے کہ جس طرح انسان کا معدہ مکھی کو قبول نہیں کرتا تاریخ بھی کسی جھوٹ کو زیادہ دیر برداشت نہیں کرتی۔ تاریخ کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ہر تاریخی واقعہ کے دو فریق ہوتے ہیں بالکل متصادم اور مختلف جیسے فاتح اور مفتوح' ظالم اور مظلوم حاکم اور محکوم نیک اور بد۔ اسی طرح تاریخ ناقابل تقسیم نہیں بلکہ یہ تو بنیادی طور پر ہی تقسیم شدہ ہوتی ہے اور اس کے بیک وقت دو روپ ہوتے ہیں جنہیں دیکھ کر کوئی شرمسار ہوتا ہے اور کسی کا سر فخر سے بلند ہوتا ہے' کوئی غمزدہ ہوتا ہے اور کوئی خوشی سے پھولا نہیں سماتا' کوئی مایوس ہوتا ہے اور کوئی پُر امید۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دینی نقطۂ نگاہ سے' تاریخ سے تعلق کے تعین میں مذہب کا کردار بڑا بنیادی ہوتا ہے' مثال کے طور پر جنوبی ایشیاء کے مسلمانوں کی اکثریت ماضی میں ہندو تھی لیکن آج کوئی باشعور مسلمان رام' کرشن' پانڈو' بکرماجیت' اشوک' پرتھوی راج یا رنجیت سنگھ سے اپنے ڈانڈے نہیں ملاتا۔ نہ ہندوؤں کی تاریخ کا دعویدار بنتا ہے۔ وہ تو اس تعلق پر نازاں و فرحاں ہے جو اس نے جزیرہ نمائے عرب میں مبعوث کئے جانے والے نبی آخر الزماں ﷺ سے جوڑا ہوا ہے۔ اب اس کی تاریخ وہی ہے جو مسلمانوں کی تاریخ ہے' چاہے وہ فتح و نصرت کی تاریخ ہو یا شکست کی اور یہ بات بلا امتیاز تمام مسلمانوں کے لئے یکساں ہے چاہے اس نے آج ہی اسلام قبول کیا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلام باری۔ مانچسٹر۔

اللہ تعالیٰ سے پرائیویٹ تعلق

اسلام دین ہے مذہب نہیں۔ مذہب میں زندگی کا مقصد ایک فرد کی اپنی نجات ہوتا ہے اس کے لئے وہ خدا سے اپنا پرائیویٹ تعلق قائم کرتا ہے۔ وہ جس قدر انسانوں سے دور ہٹتا جائے اتنا ہی ''خدا کے قریب'' ہوتا جاتا ہے۔ چنانچہ وہ پہلے عبادت' بھگتی یا پرستش کے لئے الگ گوشہ تجویز کرتا ہے۔ اس تنہائی میں وہ خدا سے لو لگاتا ہے۔ پھر وہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے دنیا سے دور ہٹتا جاتا ہے۔ چنانچہ خدا کے مقرب بندوں.....ایشور کے بھگتوں.....کی نشانی یہ ہے کہ وہ الگ خانقاہوں یا حجروں یا بھوروں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور جنگلوں یا غاروں میں چلے جاتے ہیں اور دنیا کے دھندے دنیا داروں کے سپرد کر دیتے ہیں کیونکہ دنیا اور اس کی جاذبیتیں خدا کے راستے میں رکاوٹ ہیں' اس لئے قابل نفرت ہیں۔

دین کا تصور اس سے مختلف ہے۔ وہ انسان کو دنیا میں رہنا سکھاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کا ہر وہ کام جو وحی خداوندی کی روشنی میں سرانجام دیا جائے دین بن جاتا ہے۔ دین نام ہے فطرت کی قوتوں کو مسخر کر کے انہیں قرآنی اصولوں (مستقل اقدار) کے مطابق' نوع انساں کی بہبود کے لئے صرف کرنے کا۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے اجتماعی زندگی کی ضرورت ہے۔ ''دین'' نام ہی اجتماعی نظام حیات کا ہے جو وحی کی مقرر کردہ حدود کے اندر متشکل ہو۔ اس اجتماعی نظام کے اندر افراد معاشرہ کی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اس سے ایک عجیب و غریب حسین دائرہ وجود میں آتا ہے۔ افراد اپنی صلاحیتوں کو اجتماعی نظام کے سپرد کر دیتے ہیں تاکہ وہ انہیں انسانیت کی تعمیر کے کاموں میں صرف کرے۔ اور اس طرح اجتماعی نظام ان افراد کی صلاحیتوں کی نشوونما کا ذریعہ بنتا ہے (القرآن 87:14-15) اس لئے اسلام میں نہ فرد بلا جماعت کا تصور ہے نہ جماعت کا وجود مقصود بالذات ہے بلکہ جماعت کا مقصد فرد کی نشوونما ہے اور فرد کی نشوونما دوسروں کی نشوونما سے ہوتی ہے (92:18) (اس کی طبعی زندگی کی پرورش بھی اور ذات کی نشوونما بھی) اللہ تمام انسانوں کا رب (114:1) بلکہ تمام عالمین کا رب ہے (1:1) اسی طرح قرآن کریم بھی عالمین کے لئے (6:91) یعنی تمام نوع انسان کے لئے ہے (2:185)۔ یاد رکھئے قرآن تصور ہی اجتماعی زندگی کا دیتا ہے! یہ وجہ ہے کہ وہ ''جماعتِ مومنین سے خطاب کرتا ہے افراد سے الگ الگ نہیں جیسا کہ انسانوں نے نظام سرمایہ داری میں سمجھ رکھا ہے (74:52)۔ قرآن میں تو افراد امت کی دعائیں بھی اجتماعی ہیں انفرادی نہیں۔ جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے وہ ایک امت تیار کرتا ہے جو دین کے نظام کو قائم کرتی ہے اسے آج کی اصطلاح میں نظام معاشرہ یا نظام مملکت کہہ لیجئے۔ لیکن نظام

مملکت کا تصور محدود ہوتا ہے اس میں نگاہ صرف سیاسی امور تک جاتی ہے۔قرآن کا نظام اجتماعی انسانی زندگی کے ہر گوشے پر محیط ہے۔

قرآن کریم کی سورۃ الطلاق میں عائلی قوانین کے بعد کہا گیا ہے کہ یہ قوانین تمہاری عائلی زندگی سے متعلق ہیں۔نظر بظاہر ایسا دکھائی دے گا کہ یہ شخصی قوانین ہیں جن کا تعلق افراد معاشرہ کی نجی زندگی سے ہے۔قوم کی اجتماعی زندگی پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ چنانچہ یہی وہ سطحی نگاہ ہے جس کی رو سے سیکولر حکومتیں شخصی قوانین (پرسنل لاز) کو تمدنی قوانین (پبلک لاز) سے الگ رکھتی ہیں۔لیکن یہ بڑی بھول ہے (زندگی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے جسے شخصی اور تمدنی دوائر میں اس طرح تقسیم نہیں کیا جا سکتا کہ ایک دائرے کا اثر دوسرے دائرے پر نہ پڑے) ان معاملات کا قوموں کی تمدنی زندگی پر بڑا گہرا اثر پڑتا ہے۔

تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں کہ کتنی ہی قومیں ایسی تھیں کہ انہوں نے خدا کے (اس قسم کے) قوانین سے سرکشی برتی اور اس کے رسولوں کی مخالفت کی تو ہمارے قانون مکافات نے ان کا سخت محاسبہ کیا اور ان پر انہی کی وجہ سے تباہیاں اور بربادیاں آ گئیں (65:8) چنانچہ انہوں نے اپنے خودساختہ قوانین وضوابط کے تباہ کن نتائج کا مزہ چکھا..... اور یہ ظاہر ہے کہ جب انسان قوانین خداوندی کو چھوڑ کر ان کی جگہ اپنے قوانین وضع کرنے لگ جائے تو اس کا نتیجہ تباہی اور بربادی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے (65:9) سورۃ النساء میں ہے کہ ''جب کہیں سے امن یا خوف کی کوئی اڑتی ہوئی سی بات سن پاتے ہیں تو اسے لے دوڑتے ہیں اور خوب پھیلاتے ہیں۔حالانکہ نظام سے وابستگی اور اطاعت کا تقاضا ہے کہ ایسی باتوں کو رسولؐ (مرکزی اتھارٹی) یا اپنے افسران ماتحت تک پہنچایا جائے تاکہ وہ لوگ جو بات کی تہہ تک پہنچنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اس کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں۔یہ تو اس نظام کی برکت و رحمت ہے کہ ان لوگوں کی اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ اور سازشانہ حرکات سے تمہارا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔اگر یہ صورت نہ ہوتی تو تم میں سے اکثر اس قسم کی افواہوں کے پیچھے لگ کر تباہیاں لے آتے'' (4:83)۔سورۃ النحل میں اللہ نے انسانوں سے کہا ہے کہ ''وہ اپنی دنیا میں بھی اس کا قانون رائج کریں یہ نہ کریں کہ خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار و اختیار تسلیم کر لیں لیکن اپنی تمدنی اور عمرانی زندگی میں اقتدار کسی اور کا تصور کر لیں اور اسے انسانوں کے وضع کردہ قوانین کے تابع رکھیں) انہیں اس حقیقت کا پورا یقین ہونا چاہئے کہ خارجی کائنات ہو یا انسانوں کی دنیا سب میں اقتدار و اختیار صرف ایک خدا کا ہے۔کسی اور کا نہیں۔سو انہیں اسی کے قوانین کا اتباع کرنا چاہئے اور ان کی خلاف ورزی کے تباہ کن عواقب سے ڈرنا چاہئے'' (16:51)۔دنیا کے دیگر اہل مذاہب کو چھوڑیئے! جب سے ہم مسلمانوں کے ہاتھ سے قرآن کا دامن چھوٹا ہے تو وہ تمام غیر قرآنی تصورات وعناصر جنہیں قرآن مٹانے کے لئے آیا تھا (7:157) ایک ایک کر کے اسلام کا جزو بنتے گئے۔روما کی ملوکیت (کسی بھی شکل میں ہو)' ایرانیوں کی پوجا پاٹ (پرستش) اور نسل پرستی' یہودیوں کی پیشوائیت اور روایت پرستی' عیسائیوں اور مجوسیوں کا مسلک خانقاہیت' سب اسلام کے اجزاء بن گئے اور اب اسلام انہی کے مجموعہ کا نام قرار پا چکا ہے اور قرآن کریم کا مقصود و منتہیٰ محض ایصالِ ثواب۔یا للعجب!

عیدِ آزاداں؟ شکوہِ ملک و دیں!
عیدِ محکوماں؟ ہجومِ مؤمنیں!

پاکستان میں

علامہ غلام احمد پرویزؒ

کا درس قرآن کریم مندرجہ ذیل منظور شدہ مقامات پر ہوتا ہے

نوٹ: نمائندگان محترم سے التماس ہے کہ ایڈریس یا اوقاتِ درس میں تبدیلی کی صورت میں ادارہ کو فی الفور مطلع فرمائیں۔

شہر	مقام	دن	وقت
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ۔ گل بہار صاحبہ	بروز منگل	4 بجے شام
ایبٹ آباد	234-KL کیہال۔ رابطہ۔ محترم شیخ صلاح الدین، فون۔ 34699	بدھ	4 بجے شام
اوکاڑہ	برمکان احمد علی ابوبکر بلاک، گلی 4، نزد مبارک مسجد، شادمان کالونی، جناح روڈ، رابطہ میاں احمد علی: 0442-527325	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
پشاور	افغان کالونی، بلاک (بی) حسین خان سٹریٹ، گلی 3، ٹیوب ویل چوک، مین روڈ، رابطہ۔ ڈاکٹر بشیر الحق۔	جمعۃ المبارک	4 بجے شام
پیر محل	مکان نمبر 139/140۔ مدینہ پارک	ہر ماہ پہلا اتوار	9 بجے صبح
پنج کسی	برمطب حکیم احمد دین	جمعۃ المبارک	3 بجے شام
جہلم	برمکان محترم قمر پرویز، مجاہد آباد، جی۔ ٹی۔ روڈ نزد بیکن ہاؤس سکول، جہلم	ہر ماہ کی پہلی اور آخری اتوار	ساڑھے ۵ بجے شام
جلالپور جٹاں	یونائیٹڈ مسلم ہسپتال	ہفتہ	ساڑھے 5 بجے صبح
چک 215 ای۔ بی	شاہین پٹرولیم، اڈا کوارٹر، تحصیل بوریوالہ ضلع وہاڑی	اتوار	9 بجے صبح
چوٹی زیریں	محترم ارشاد احمد لغاری، لغاری برادرز، زرعی سروس، ڈیرہ غازی خان	جمعۃ المبارک	بعد نماز جمعہ
حیدرآباد (قاسم آباد)	محترم ایاز حسین انصاری، B-12، حیدرآباد ٹاؤن، فیز نمبر 2، قاسم آباد بالمقابل نسیم نگر آخری بس سٹاپ۔ رابطہ فون 654906	جمعۃ المبارک	بعد نماز عصر
راولپنڈی	فرسٹ فلور، کمرہ نمبر 114، فیضان پلازہ۔ کمیٹی چوک	جمعۃ المبارک	۴ بجے شام
	رابطہ۔ چوہدری نثار احمد۔ فون: 5542985-5774752	اتوار	4 بجے شام
سرگودھا	B-4، گلی نمبر 7، بلاک 21، نزد مکی مسجد چاندنی چوک	منگل	7 بجے شام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثریا کوثر قیصرانی

تبصرہ کتب

عزت القرآن

''عزت القرآن'' قرآن کریم کے ایک غواص اور صاحب طرز شاعر و ادیب محترم ملک حنیف وجدانی کی تالیف ہے جسے انہوں نے گذشتہ پندرہ (15) سالوں کی شبانہ روز محنت سے تیار کیا ہے۔ کتاب کی تاریخ اشاعت 14 اگست 2003ء ہے گویا یہ کاوش 1988ء سے جاری ہے۔

کتاب قرآن کریم کی آیات کا موضوع وار اشاریہ ہے جو تصریفِ آیات پر مبنی ہے تاہم یہ تبویب القرآن (از علامہ پرویز) سے قدرے مختلف نوعیت کی حامل ہے کیونکہ مرتب و مولف کا اپنا ایک مخصوص انداز ہے۔ مثلاً

اسماء الحسنٰی کو ''الکوثر'' کی انتہائی جامع اور توجہ طلب اصطلاح کے زرین دامن میں جگہ دی ہے اور تصریف آیات کے تحت ایک مکمل صفحہ پر اس کی وضاحت نہایت خوبی اور خوبصورتی سے کی گئی ہے۔

الرب جل جلالہٗ (رب العٰلمین) کے لئے تین صفحات مختص ہیں جبکہ الرحیم جل جلالہٗ العزیز جل جلالہٗ العلیم جل جلالہ اور المنزل جل جلالہ کے لئے دو دو صفحات صرف ہو گئے ہیں۔

لم یلد ولم یولد (112:3) اسماء الحسنٰی کے زمرے میں چونکہ نہیں آ سکتا تھا سو ایسی صفات کے لئے ''آثار الحسنٰی'' کے عنوان کے تحت 16 صفحات پر مشتمل آیاتِ قرآنیہ کا انتخاب پیش کیا گیا ہے جو اس سے قبل ہم نے کہیں نہیں دیکھا۔ یہ محنت بلاشبہ قابل داد ہے۔

چند سال ادھر ''البلاغ'' لاہور میں ''اللہ اکبر'' کے حوالہ سے ایک صاحب اکرام علی شاہ سوہاوہ جہلم کا مضمون شائع ہوا تھا۔ اپنے اس مضمون میں موصوف نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ''اللہ اکبر'' کا لفظ قرآن میں کہیں نہیں آیا۔ اس حوالہ سے ان کے اعتراضات کی بازگشت بعد میں بھی سنی جاتی رہی۔ مرتب نے شاید ان کو ذہن میں رکھتے ہوئے ''اللہ اکبر'' پر تین صفحات پر مشتمل تحقیقی جواب نہایت صراحت سے دے دیا ہے۔

''الارض للہ''۔ ''ملائکہ''۔ ''حضرات انبیاء کرام

کا انداز تبلیغ'' جیسے عنوانات پر کئی کئی صفحات دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ محترم حنیف وجدانی نے ''عزت القرآن'' میں اپنے زوردار استخراج میں تصریف آیات کے اصول کو اپنا کر تمام اختلافی راستے بند کر دیئے ہیں۔ یہ ایک ہمت شکن کام تو ہے ہی مگر گہری علمیت کا غماز بھی ہے۔ مولف ایک عنوان تجویز کر کے اس کی مناسبت سے تمام آیات ڈھونڈ لائے اور نتیجہ قاری پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ ان یکجا آیات سے کس حد تک راہنمائی حاصل کر سکا ہے؟

''انسانی دنیا میں تہذیب کے گھاؤ'' کے عنوان پر آیات درج کرتے ہوئے تین صفحات کی تشریح کے بعد قرآن کی روشنی میں فیصلہ دیا ہے کہ ''جس معاشرے میں یہ گھاؤ موجود ہوں وہ بچ نہیں سکتا۔''

''آزادیٔ انسان'' ''قوموں کی غلامی سے نجات'' کے عنوان سے قرآنی استدلال پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''وہ اعمال کے نتائج سے آزاد نہیں۔''

کتاب کے آخری صفحات میں ''صفات الانسان'' کے عنوان کا انتخاب وجدانی صاحب کے ذہنِ رسا کا کمال ہے کہ اس طرح کا کام شاید ہی کہیں اور مل سکے۔

تبویب القرآن اور ہم خیال آیات کا چناؤ یقیناً دشوار اور عناوین و موضوعات کا انتخاب دشوار تر ہے۔ اس طرح کا انتخاب ایک اعلیٰ اور شستہ مذاق انسان ہی کر سکتا ہے۔ پرویز علیہ الرحمتہ نے تو اپنے فکر و فلسفہ کی ساری بنیاد ہی تصریف آیات پر رکھی اور اپنی ''تبویب القرآن'' کو عمر بھر کا ماحصل قرار دیا' بعد کے مصنفین میجر جنرل محمد نواز ملک (مشمولاتِ قرآن) مشتاق احمد (کتاب عظیم)' مقبول محمود فرحت (مضامینِ قرآن)' ڈاکٹر بشیر الحق (بزمِ آیات) نے بھی اس میں اپنا اپنا حصہ ڈالا۔

ہمارے قرآنی ہمسفر وجدانی صاحب کے وجدان نے عزت القرآن کے روپ میں جو قرآنی ارمغان پیش کیا ہے وہ ان کے اعلیٰ اور منفرد ذوق کا غماز ہے۔ ایک عنوان ''انائے مطلق'' میں انہوں نے اللہ کی انا اور حاکمیتِ مطلقہ کا اس خوبصورت انداز میں اظہار فرمایا ہے کہ ہر طالب قرآن عش عش کر اٹھتا ہے۔ اس لحاظ سے عزۃ القرآن ایک منفرد تالیف ہے۔ عربی دان حضرات اس کے مطالعہ سے یقیناً قرآن فہمی کے نئے زاویوں سے آشنا ہوں گے۔

240 صفحات کی حامل یہ کتاب کئی لحاظ سے اپنے اندر ایک انفرادیت رکھتی ہے۔ چار رنگوں پر مشتمل ٹائٹل قرآنی پیغامات کو مدنظر رکھ کر تخلیق کیا گیا ہے۔ سائز بھی عام کتب کے مقابلے میں قدرے بڑا ہے۔ کتاب کا انتساب (جو ابوجہل کی کنیز حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا کے نام ہے) پڑھ کر آنکھیں دو موتی نذر کر دیں تو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔ قیمت 240 روپے ہے اور ملنے کا پتہ درج ذیل ہے۔

''باغبان پبلشرز' سنبل سیداں' مری''

☆☆☆

قرآن اور پاکستان

''قرآن اور پاکستان'' کے نام سے محترم فضل کریم فضل نے جو خوبصورت کتاب تصنیف کی ہے اس کا

جذبۂ محرکہ قرآنی فکر کی اپنے اسلوب میں وسعت آشنائی ہے' وہ ناٹنگھم (برطانیہ) میں قیام پذیر ہوتے ہوئے بھی اپنی تمام تر دلچسپی پاکستان سے رکھے ہوئے ہیں کہ اس مملکت کی وجۂ تخلیق قرآنی اصول واقدار کو بطور نظام متشکل کرنا تھا۔

''قرآن اور پاکستان'' کے مطالعہ سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ فضل کریم کی سوچ میں دین کے مختلف پہلوؤں کے حوالہ سے کوئی ابہام نہیں ہے' نظریات کا شفاف ہونا گہرے مطالعۂ قرآن کی غمازی کرتا ہے' انہوں نے کمال احتیاط سے' قرآن مجید کی روشنی میں' وضعی اور الحاقی احادیث سے دامن بچا کر ان دینی اور مذہبی کتابوں سے استفادہ کیا ہے جس سے وہ قرآن کے نظریۂ حیات ونظام معاشرہ کو اپنے قارئین تک پہنچانے میں بخوبی کامیاب ہوئے۔

قرآن کے سیاسی' معاشی اور اجتماعی نظام کو وہ پاکستان کے لئے ناگزیر قرار دیتے ہیں' یہی وجہ ہے کہ کتاب میں شامل ابواب ''دین میں جبر نہیں''۔''امام کیا ہے اور امامت کیا؟'' ''دین اور مذہب''۔''مذہب کی چیرہ دستیاں''۔''آزادی کا قرآنی مفہوم'' وغیرہ پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ مصنف نے پرویزؒ کے علمی شہ پاروں سے بجا طور پر خوشہ چینی کی ہے۔ایک مکمل باب کا عنوان ہی ''علامہ پرویزؒ'' منتخب کیا گیا ہے' ''قرآن اور پاکستان'' کے موضوع پر جتنا منظّم کام ادارہ طلوع اسلام نے کیا ہے۔ اس کی مثال کہیں اور مل ہی نہیں سکتی۔

فضل کریم فضل کو شعر وادب سے خصوصی شغف ہے اور وہ خود بھی بہت اچھے شاعر ہیں۔انہوں نے علامہ اقبالؒ کے تتبع میں شاعری کو دین کا آئینہ دار بنا کر ملت کو اس موثر ذریعہ ابلاغ سے دین کا پیغام دیا ہے۔ہر باب کے آخر میں اپنی غزل/نظم کے ذریعہ پورے نثری پیغام کا خلاصہ بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے' انہوں نے شاعری کو ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنانے سے پرہیز کرتے ہوئے اس میں سدھرنے سدھارنے کی مفید باتیں کہی ہیں' اس لحاظ سے یہ کتاب منفرد اور پہلودار ہوگئی ہے۔

''قرآن اور پاکستان'' میں زمانۂ حاضر کی اور آئندہ نسلوں کو کامیاب زندگی گذارنے کا جو نسخہ مہیا کیا گیا ہے اس میں اس کے روشن مستقبل کی یقینی بشارت بھی موجود ہے۔

328 صفحات پر مشتمل یہ کتاب معنوی اور صوری ہر دو لحاظ سے خوبصورت ہے' کاغذ سفید اور نہایت عمدہ استعمال کیا گیا ہے' ٹائٹل اور گرد پوش چار رنگوں کا حامل ہے اور ڈیزائن میں اعلیٰ ذوق کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے۔

قیمت 500 روپے رکھی گئی ہے تاہم قارئین طلوع اسلام کے لئے خصوصی رعایتی قیمت 250 روپے مقرر کی گئی ہے۔

ملنے کا پتہ:۔

(۱) طلوع اسلام ٹرسٹ' 25 بی' گلبرگ 2' لاہور۔

(۲) بزم علم وفن پاکستان (انٹرنیشنل)

11 شان پلازہ' بلیوایریا' اسلام آباد۔

To Reflect and ……Act

By
Abid Hafeez

==========

This article which follows,
It is a beautiful exegesis and explanation of the Quranic verse 11 of Sura 13.
"That Allah does not alter the condition of a people until they bring a change in their inner-selves by attitude and thinking".
Idara

The difference between the poor countries and the rich ones is not the age of the country. This can be shown by countries such, as India and Egypt that are more than 2000 years old are poor.
On the other hand, Australia, Canada and New Zealand that 150 years ago were inexpressive, today are developed countries and are rich.

The difference between poor and rich countries does not reside in the available natural resources. Japan has a limited territory, 80% mountainous, inadequate for agriculture and cattle breeding but it is the world's second economy. The country is like an immense floating factory, importing raw material from all over the world and exporting manufactured finished products.

Another example is Switzerland, which does not grow cocoa but makes the best chocolate of the world. In its small territory it raises animals, does farming only four months in a year. Not enough to feed its population, it produces dairy products of the best quality. A small country transmits an image of security, orderliness and hard labour, which has made it the safe haven for the money depositors.

Executives from rich countries who communicate with their counterparts in poor countries show that there is no significant intellectual difference between them. Race and colour are also not important.
Immigrants branded lazy, lethargic in their own countries are the productive power in rich European countries.

What is the difference then?

The difference lies in the attitude of the people, framed along the years by the type of education and culture. On analysing the behaviour and attitude of the people of the rich developed countries, we find that great majority follow the following principles in their lives. These are

1. Ethics, as a basic principle.
2. Integrity
3. Responsibility
4. Respect of the rights of the fellow citizens.
5. Love for work.
6. Strive for savings and investments.
7. Will of super action
8. Punctuality
9. Honesty

****

IN SEARCH OF PARADISE!

By

Aboo B. Rana

==========

Thousand years from today, I wonder if anybody would want to know as to who wrote these pages:

ولیکن کس ندا نست ایں مسافر
چہ گفت و با کہ گفت و از کجا بود

Though we will all just like now, be arguing, perhaps not in the same mode. Most of us, will still be indulging ourselves in reincarnation philosophies. Crimes will still be rampant. Vanities, jealousies, foul-play, humiliation, corruption, vandalism, along with torture, intrigues, cheating, stealing, cursing, swindling, abusing, usurping. Distorting facts and figures has ever been our second nature, since the world of civilizations began. They ask us, has it ever ended? Why not join them if we cannot fight them? If God is in control, Satan is also in manifestation!

Why, I anticipate, this shall be our wonder land of future scenario, hundred, five-hundred or thousand years from now? It will be so because the root of these miseries, will yet be present. Until and unless Evil is not completely obliterated from among us, her/his ambassadors and counselloris will perpetrate and make us feel their presence. This is one fact, we are here on this earth, believe it or not, to deal with. Otherwise Allah and his words will remain decoration pieces, hanging on our walls, that we will look and pass by everyday, just like people of other religions do with their gods and deities.

آشنائے من زمن بیگانہ رفت
از خمستانم تہی پیمانہ رفت

We pass through childhood and adolescence in an environment with fixed standards and traditions that later in life, govern our behaviour and attitudes. Every normal mother gives her child unconditional love; by virtue of which the child grows to love life. From the father, the child learns how to stand up and fight for ones rights.

Consequently, every normal adult interacts or ought to interact with love, guided by knowledge. In other words with an open heart and an open mind. This becomes a rare observation, when societies and cultures are suppressed, is needless to say. Where even commonsense becomes diffused and mutilated. In suppression we do what our seniors want us to do. Or else we all are aware of the consequences. We become penniless or convert into white collar beggars, who are no better than street beggars. Only their geography is different. Suppressed societies will obviously choose for themselves suppressed rulers. Being birds of the same feather flock together hence all compassion and liberated thinking is crushed and inhibited. Practical day to day life of people is at the mercy of these rulers, who use the masses in the name of God, Allah or whichever deity is made popular, by means of radio, TV or whatever other means are available at the disposal of media. To love becomes a sign of weakness and to reason is considered arrogance.

Actually we forget in suppressive circles, as I have forgotten now, where was it that I read, "The business of life is not business—but living!" Even otherwise we have lost the meanings of this word called business. In fact business is derived from the word 'busy'. Our busy-ness is called our business. If I am working as a teacher or busy teaching then I have teaching business. By the same token, if someone sells tickets, then his or her business is selling. In short whatever work any individual or organization is engaged in, is termed as its business.

For the business of collective healthy living, we need on environment that promotes and enhances life. As Muslims we believe, true Islam gives us the environment that we ought to adopt in our lives and in daily interactions with each other. To embrace ISLAM, we need to abide by the laws, come what may, as narrated in the Quran. It also guides us to follow the sayings and deeds of Muhammad[PBUH], to whom this book was revealed for all humankind, for all times. In Islam, we all know, Quran is the categorical imperative. It states in Chapter 5, verse 44:

ومن لم یحکم بما انزل ---------- (5:44)

"THOSE WHO DO NOT ABIDE BY THE REVEALED ORDERS OF ALLAH, THEY ARE THE NON-BELIEVERS." (5:44)

Quran explicitly says to messenger Muhammad[PBUH], (or the head of an Islamic State)

فاحکم بینھم بما انزل اللہ ----------

"YOU MUST COMMAND ACCORDING TO THE REVELATIONS OF ALLAH." (5:48)

Obviously, the question arises, who is to decide, whether any made, is in fact in harmony or not with Quran. This question for the present, leads us into further

complications and ambiguities. The real question what each one of us, must ask ourselves; is being Muslims do we, first of all, unanimously accept Quran as our standard and code of life? Are we prepared to let go of our interests and things, that go against Quran? If not so, then we fall in the category of those, about whom the verdict of Quran is:

وما یومن اکثرھم باللہ-----(10:106)

> "MAJORITY OF THEM ARE THOSE WHO BELIEVE IN ALLAH, BUT NOT WITHOUT SHARING HIS SOVEREIGNITY; THEY ARE HYPOCRITES." (10:106)

Therefore, no Islamic judiciary council, court or organization can ever succeed, in making or enacting the Islamic legal framework, provided they accept and submit their lives, to the basic tenets of Quran. For example, it is clearly written in the Quran, that in financial matters, 'Riba' or 'Interest,' in whatever form, must not come in our transactions or dealings you may be thinking that I am a lunatic. Or that I cannot change the banking systems of the whole world. Gentle minds, I certainly and indeed, cannot change the whole world. In fact I know about banking as much as any common person does. I am indeed only trying to convey what I have understood from the Quran. If we are not living our lives, according to requirements of the Quran, we cannot be Muslims. As simple as that!

From times un-memorial, since the Muslim Ummah lost its central authority of Quran, it has been living under the rule of other's systems. That is why Iqbal says:

ہنوز ایں چرخ نیلی خرام است
ہنوز ایں کارواں دور از مقام است

How the Muslim ummah lost its paradise, is THE QUESTION that we direly need to answer, before intending to take any further steps. Indeed, the answer will not be to our hearts' desires. As Allah's system cannot be bribed, though efforts are being done to bring the system closer to our lives. The Muslim rulers, soon after Messenger Muhammad[PBUH] passed away, did not take precautions against germs of polluted ideas and conspiracies, that were seeping into their expanding Islamic empire.

For the present we appear to be in three categories. The Haves, Have-nots and the hypocrites. The haves and have-nots, or the dreamers and the doers are very clear in their aims and claims. The hypocrites are the ones who diffuse or muddle the issues and are making this world uncomfortable to live for others. The haves are constantly complaining about have-nots, who are not honestly and sincerely doing

their work. The have-nots plead, those dreamers sitting above never pay enough. In this burning inferno of no-trust, the whole world is reaching a deadlock situation. Or are closing in, on the point of no return. The hypocrites constantly confuse the issues—matters get delayed and nothing rests decided; except inertia, hopelessness and depression in the common person. As only a handful have studied and absorbed Quran and even those are looked down upon and ignored by the illiterate Muslims.

Neither the theologians not all the treasures of the world have at any time, ever been able to in the past, (broken this deadlock of no-trust. As time goes by, this situation of no-trust, makes the balloon of inertia and hopelessness grow in volume. Eventually, when it becomes unbearable, the balloon bursts. The inertia and depression transform into war and destruction. As both the theologians and the people of means, reach a point in time, they neither want to understand anymore not have any patience left in them to tolerate the prevailing conditions. There are no feelings for life left in them. After the war is over, the stronger party, of course, comes into power.

Now if we think with a serene and calm mind. Islam gives a message that is different and unique. All previous conflicts between the messengers of Allah and the prevailing systems, have never been for the purpose of obtaining power. The message each and every time, that was given to the rulers of their systems, was based on affection and respect for humanity. The rulers and the ruled had lost sight of this primary factor. That in times of peace prepare for war. With the result, neither their guns nor their numbs, were able to break the no-trust situation. The dismal and bleak performance of Man has always been due to his weakness for power, instead of co-operation, harmony and balance in the natural way.

Whosoever, has the knowledge and zest for life, will take the responsibility of enacting the laws and orders of Quran. That authority shall transcend all realms of world politics and take the victory stand by virtue of public consensus. From this it must not be concluded that democracy in Islam is free from reins. It is harnessed by the principles and laws of Quran. Certainly no way even close, to the democracy of the present times, which is tinged with despotic Changez Khan rule, and which has already turned this world into a mad house.

Human history, indeed has an impeccable record to its credit, of distorting facts and diffusing any issue that has come within its reach. Mankind, excluding Messengers of Allah, blessed with the freedom of choice, has invariably, rejected all proposals of the wise, even those of its creator. All due to this situation of no-trust. We human kind do need aid. That takes our mind beyond logic and reason, in order to perceive and conceive facts in their true light. Or else succumb ourselves to the arrows of time, remain in darkness and continue to modify and distort whatever comes our way.

We have roamed the jungles, climbed mountains, walked deserts.

حدیثِ سوز و سازِ ما دراز است

Discovering skeletons, making images of how it looked like in our remote past. There appears nothing wrong, in trying to search our roots. For the life of us, will it be to our disadvantage, if the scholars can spend time in the research of revelations of Quran? And from its true meanings, assemble a skeleton or render a scenario of how this world would look like in an Islamic system? To give us a picture of the natural Man, above all animals? After all Quran is the book for all times to come. We only have to open our hearts and mind; the message in it is crystal clear, saying softly to us:--

اگر یک قطرہ خوں داری اگر مشت پرے داری
بیامن باتو آموزم طریقِ شاہبازی را

Ostensibly, nature around us is in a chaotic state of affairs, though if may appear comfortable to some at present. As soon as we manage to go beneath the surface, we suspect a rhythm. Something inside nature is brewing. You may call it metamorphosis if you want. The caterpillar transforms itself into a pupa. The pupa turns into a butterfly. A small little miracle of nature, happens right before our eyes. Beneath all this chaos, a rhythm of transformation is doubted. Spectacular and remarkable works of nature, leave us enthralled and awed at the sametime. Nature does all this without any mind or genius. After observing all this one is inclined to infer brains are superfluous. I want to assent to that, had it not been for the Quran that advises me to think.

We indict a single person for murder; but what about a whole population? In the name of peace, we are told, is this wholesale slaughter? To search for one suspected terrorist, a whole nation is ransacked. Ravaged, plundered and shredded to pieces. As if to catch one mole, a whole mountain is blasted. Hats off to the superior thinking of those technologically advanced nations! I would like to thank the Christian nations too, for what they claim to believe in, called “MERCY,” and their kindness they are granting to human lives. The bruised sentiments, wounds and heartaches inflicted, will not heal in day, months or yeas. Perhaps centuries are needed. Yet we have the audacity to talk about progress in our drawing rooms, meetings and public gatherings. I wonder if Jesus would have approved had he been among them today, of all what they are doing in the name of peace.

"What does God think of us" is not on our minds. What appears more appropriate and important to the material world is, "what do we think of God". Where remains the attraction; of living over non-living state, of life in the congested and savage world that we have made for ourselves, is one matter that is beyond debate. If Muslims once had a battle to fight, to stand on this earth, the benefit once achieved for a while, is now showing a grim and grave picture.

The Muslim ummah lost its purpose of life ages ago, of peaceful co-existence under the guidance of Quran. To be exchanged with that of power. With it the Muslims lost their paradise on earth. Power never has been or was the aim and purpose of Muslim life. If Islamic empire flourished by the use of force—then where lies the difference between Islam and the Vikings, Huns, Romans, Mongols, Fascism or Hitler's regimes? The expansion of Islam was based on affection and respect for humanity. Certainly not like the junky and hijacked politics of today, that is choking the humanity.

If destroying each other by force was the concept of life, then Muhammad[PBUH], the founding member of Islam, would have been first and foremost in killing Abu Sufyan and Khalid bin Waleed, when he became stronger in Medina. All those Islamic battles that Muhammad fought were in defense. If brute aggression was the basic aim and concept of life, then what is the significance of pioneer Muslims migration or *hijrat* to Medina. In fact, to my humble knowledge, the Muslim calendar starts from this date of migration from Mecca to Medina. It is the hypocrites and *Mushriqeen* groups among us who have been playing the dirtiest. Throughout the centuries, and have been the main cause of the downfall of Muslims—the venom in *mushriqeen* is worse than that of pagans. It was the *mushriqeen* (hypocrites) of neighbouring countries of the Islamic empire in its heydays, that was spreading the word that Islam is brute force. The glory of Islam was never pomp and show. Islam spread in this world, because of its affection and respect for life. From the moment the Muslims lost this pivotal point in their ideology, Islam began fading away. That is why Allama Iqbal says in one of his verses, to take the witness stand of One Allah, without affection in our hearts, carries no meaning. These conspiracies have not finished yet. Muslims may take this as a wake-up call and stand-up or sleep over these nefarious designs, the choice is theirs. If they choose to be on formal relations with Allah, the same kind of response from Allah, must not be a source of annoyance and hatred for the Muslims.

==========

HIGHLIGHTS OF HUMAN EMBRYOLOGY IN THE QURAN AND THE HADITH

By

KEITH L. MO'ORE [*]

[A report from the Proceedings of the Seventh Saudi Medical Meeting held in 1982.]

=====================

Human beings have always been interested in where they came from and how they developed before birth. We know from the earliest records that primitive peoples realized that the birth of a baby was the sequel the sexual union or intercourse. However, for many centuries the idea about human prenatal development were based on speculation and mysticism. The absence of knowledge about embryological processes and the dominating influence of superstition resulted in a non-scientific approach to human development.

As far as we know, Aristotle wrote the first embryology book in the 4th century B.C. In it he recorded some observations on comparative embryology, especially on the general progress of the developing chick. He promoted, however, the incorrect idea that the human embryo developed from a formless mass that resulted from the union of semen with menstrual blood.

Scientific knowledge of embryology did not progress significantly for nearly 2000 years. It was not until near the close of the 17th century, when the microscope was discovered, that the early stages of human development could be effectively studied. After it was possible to examine cells under the microscope, it was reasoned in the 18th century that development resulted from growth and differentiation of embryonic cells.

Almost a year ago I was consulted about the meaning of certain verses in the Quran and some sayings in the Hadiths which referred to human reproduction and

[*] [Professor of Anatomy and Chairman of the Department, Faculty of Medicine, University of Toronto, Toronto, Ontario, Canada.]

embryological development. I was amazed at the scientific accuracy of these statements which were made in the 7th century A.D. I have selected several verses

and sayings for which I shall provide personal interpretations based on my knowledge of embryological history and of the modern science of human embryology.

The realization that the embryo develops in stages in the uterus (figure 1) was not discussed or illustrated until the 15th century A.D., although Galen had mentioned the placenta and fetal membranes in his book *On the Formation of the Foctus* written in the 2nd century A.D. and must have known about the uterus.

بسم الله الرحمٰن الرحیم

يَخْلُقُكُمْ فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ خَلْقًا مِّن بَعْدِ خَلْقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُصْرَفُونَ ○ (39:6)

Figure 1. This verse from the Quran states that God makes you in the wombs of your mothers *in stages,* one after another, within three veils of darkness.

After the microscope was developed in the 17th century, descriptions of the early stages of the developing chick were made, as observed with simple lenses (Arey, 1974). The staging of human embryos was not proposed until the 1940's (Streeter, 1942), and the stages used nowadays (figure 2) were not adopted worldwide until a few years ago (O'Rahilly, 1972; Nishimura *et al.,* 1974).

Figure 2. These drawings illustrate the six stages of human development which occur during the first two weeks (from Moore, K.L., *The Developing Human. Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn, 1982. Courtesy W.B. Saunders Co., Philadelphia).

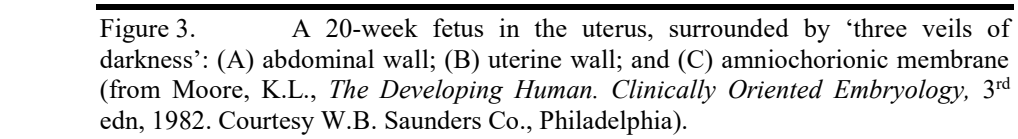

Figure 3. A 20-week fetus in the uterus, surrounded by 'three veils of darkness': (A) abdominal wall; (B) uterine wall; and (C) amniochorionic membrane (from Moore, K.L., *The Developing Human. Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn, 1982. Courtesy W.B. Saunders Co., Philadelphia).

It is reasonable to interpret the *three veils of darkness* mentioned in the Quran as: (a) the mother's abdominal wall (figure 3); (b) the wall of the uterus; and (c) the amniochorionic membrane composed of the fused amnion and chorion. These three anatomical layers protect the embryo from external injury.

Another verse in the Quran (figure 4) refers to the early stages of human embryonic development. Observe how much the embryo of 24 days (figures 5) looks like a leech (Arabic, *alaca*, a thing which clings), and that it later appears like a chewed substance (Arabic, *mudga*, chewed flesh) after most of the somites form during the fourth week (figure 6).

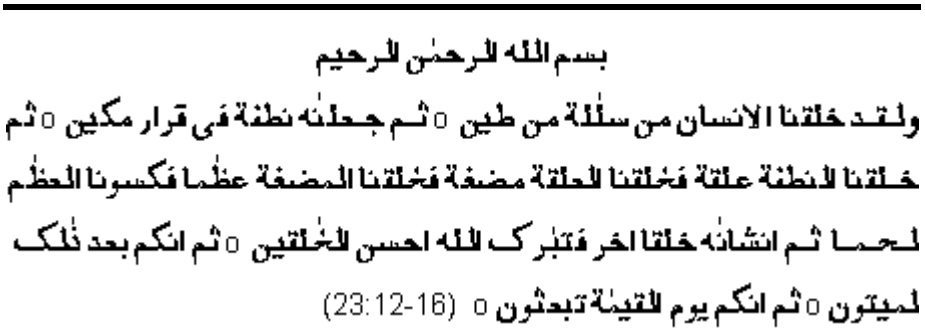

Figure 4. This verse from the Quran states that God made you from a drop and then changed the drop into a leech-like structure which soon changed into a chewed-like substance that then took the shape of bone and was clothed with flesh.

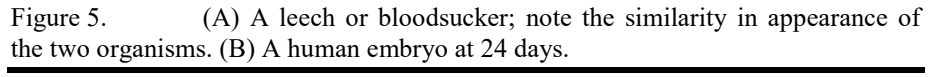

Figure 5. (A) A leech or bloodsucker; note the similarity in appearance of the two organisms. (B) A human embryo at 24 days.

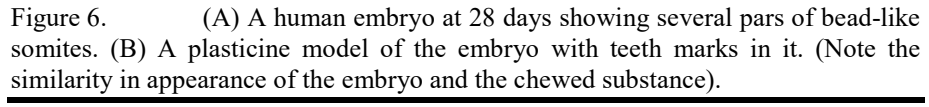

Figure 6. (A) A human embryo at 28 days showing several pars of bead-like somites. (B) A plasticine model of the embryo with teeth marks in it. (Note the similarity in appearance of the embryo and the chewed substance).

During the embryonic period, the embryo acquires distinctive human characteristics as the bones and muscles begin to form (figure 7). By the end of the embryonic period, the beginnings of all the main organ system have been established. The external appearance of the embryo is greatly affected by the formation of the brain, heart, liver, somites, bones, limbs, ears, nose, and eyes. As these structures develop, they affect the appearance of the embryo by forming characteristics that mark the embryo as unquestionably human. Because the beginnings of all essential external and internal structures are formed during the embryonic period, *these five weeks constitute the most critical period of development.* Developmental disturbances during this period may give rise to major congenital malformations.

The second major stage of prenatal development is the *fetal stage* (figure 8). This is a period of rapid growth and differentiation. The eyes are open by 24 weeks, by which time the fetus may be capable of survival if born prematurely.

A human being develops from a single cell, the *zygote,* which forms when an ovum is fertilized by a sperm. The two verses from the Quran shown in figure 9, and

the saying from the Hadith, make it clear that the sperms are derived from a very small part of the fluid or semen that gushed forth or is ejaculated from the penis. They are expelled from the urethra via the same route followed by the urine which is sometimes referred to as a 'despised' fluid.

There are several references in the Quran which indicate that a human being develops from a part which is slowly drawn out or extracted (Arabic, *sulala)*. It is reasonable to interpret the *nutfa* as the small sample of sperms which are extracted from the ejaculated semen, because it is well established that only a few hundred of the several million sperms in the semen are able to pass through the uterus and surround the ovum in the uterine tube.

The *mixed drop* mentioned in the Quran (figure 10) could refer to the mixture of a small quantity of sperms with the oocyte and its associated follicular fluid. There are other references in the Quran to the origin of man from a small quantity of 'mingled fluids', undoubtedly the male and female sexual secretions. As we know, a secondary oocyte is expelled from the ovary during a process known as *ovulation.* The oocyte and the follicular fluid pass into the uterine tube, where, if coitus has occurred, they are mixed with several hundred sperms. The resulting mixture (drop) composed of the ovum and the penetrating sperm, becomes the *zygote* or primordium of the embryo.

Figure 7. Embryos during the eighth week which are assuming distinct human characteristics (from Moore, K.L., *The Developing Human, Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn, 1982. Courtesy W.B. Saunders Co,., Philadelphia).

Figure 8. Developing humans during the fetal stage (ninth week to birth) Note how rapidly the fetus grows, especially between the ninth and twentieth week. (From Moore, K.L., *The Developing Human, Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn, 1982. Courtesy W.B. Saunders Co,., Philadelphia).

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

﴿.....الم یک نطفۃ من منی یمنی﴾ (75:37)

وقال سبحانہ:

﴿ثم جعل نسلہ من سلالۃ من ماء مھین﴾ (32:8)

وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ما من کل الماء یکون الولد (رواہ مسلم۔کتاب النکاح)

Figure 9. The first verse from the Quran says, 'Was he not a drop of fluid which gushed forth?' The second verse says, 'God made the progeny of men from anextraction of despised fluid.' The third quotation is saying from a Hadith according to Moslem. It says, 'Not from all secretions is the child made'.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن نُّطْفَةٍ أَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيهِ فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ○ (76:2)

Figure 10. This verse from the Quran states that a human being is created from a mixed drop.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهُ فَقَدَّرَهُ ○(80:19)

Figure 11. This verse from the Quran states that from this drop he (God) created him and soon planned his future characteristics and features.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَأَنَّهُ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ ○ مِن نُّطْفَةٍ إِذَا تُمْنَىٰ ○ (53:45-46)

Figure 12. This verse states that either a male or a female will be created from the *nutfa* and that the sex of the embryo is determined at the beginning.

A popular idea in the 17th century among scientists was that the sperm contained a miniature human being that simply enlarged inside the sperm. Another equally strong idea was that the ovum contained a miniature human being that was stimulated to grow by the semen.

It was not until the 18th century that Spallanzani showed experimentally that both male and female sex products were necessary for the initiation of development. From his experiments, including artificial insemination in dogs, he concluded that the sperm was the fertilizing agent. It is difficult not to interpret the mixed drop mentioned in the Quran in the 7th century as a reference to the mingling of the male and female sex cells described eleven centuries later.

The idea that development results from a *genetic plan* (figure 11) contained in the chromosomes of the zygote was not discovered until the end of the 19th century. The verse from the Quran clearly implies that the *nutfa* contains the plan or blueprint for the future characteristics and features of the developing human being.

The realization that sex was determined at fertilization (figure 12) was established about 60 years ago when the sex chromosomes were discovered. The determination of sex is one of the main results of fertilization. The strong male

influence of the Y chromosome on sex development was discovered about a decade ago.

The blastocyst or early embryo implants in the uterus about 10 days after fertilization. It assumes a human appearance during the eighth week. Hence, 40 to 45 nights after its implantation in the uterus (figure 13), it would be 50 to 55 days old and have a distinctive human appearance. Prior to this time, the human embryo is similar to the embryos of other mammalian species.

An understanding of the implantation process of the human blastocyst is also implied in the Quran (figure 14). A tilth refers to the cultivation of land and the comparison of implantation of the blastocyst to the planting of a seed is a very appropriate one. Just as soil covers the seed, the uterine epithelium covers the implanted blastocyst (figure 2). The blastocyst soon develops chorionic villi for acquiring nourishment from the maternal blood. Similarly the embryo formed from the seed develops roots for acquiring nourishment from the soil.

It is well established that there is a lag or delay in the development of the embryo during implantation (figure 15). For an entire week, very few changes can be observed in the developing embryo or bilaminar embryonic disc. The agreement between the lag or gap in development mentioned in the Quran and the slow rate of change occurring during the second and third weeks is amazing. These details of human development were not described until about 40 years ago.

بسم الله الرحمٰن الرحیم

عن حذیفتہ بن اسید الغفاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

یدخل الملک علی النطفۃ بعد ما تستقر فی الارحام بأربعین اوخمسۃ وأربعین لیلۃ.

(رواہ مسلم۔ کتاب القدر)

Figure 13. This Hadith according to Moslem states that the angel will come to the *nutfa* 40—45 nights after it settles in the uterus.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

نساء کم حدث لکم فاتوا حرثکم انی شئتم (2:223)

Figure 14. This verse from the Quran states that women are tilth for you to cultivate in any way you wish.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

ثم خلقنا النطفة علقه..... (23:14)

Figure 15. This part of a verse from the Quran shows the use of an article which indicates that there is a lag or gap between the *nutfa* stage and the leech-like stage.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

(.....فخلقنا العلقة مضغة..... (23:16)

Figure 16. This verse states that God created the leech-like lump into a chewed substance.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

ثم من مضغه مخلقه و غیر مخلقة..... (22:5)

Figure 17. This verse states that you are created from a chewed lump which is both differentiated and undifferentiated.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قال تعالیٰ:

(.....فخلقنا المضغة عظاما.....) (23:14)

Figure 18. This verse states that out of the chewed lump, bones are made which are clothed with muscles.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عن حذیفۃ بن اسید الغفاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:
اذا مر بالنطفۃ اثنان واربعون لیلۃ بعث اللہ الیھا ملکا فصورھا وخلق سمعھا
وبصیرھا وجلدھا ولحمھا وعظامھا ثم قال یارب ذکر او انثیٰ؟ فیقضی ربک
مایشاء ویکتب الملک۔ (رواہ مسلم۔ کتاب القدر)

Figure 19. This Hadith according to Moslem states that 42 days after the *nutfa* forms, God sends an angel to its features and to create its hearing, vision, skin, flesh, and bones, 'Oh, God', the angel asks, 'male or female?'.

Figure 20. Human development during eighth and ninth weeks; note that the embryo looks human, but its sex is not clearly distinguishable at this stage (from Moore, K.L., *The Developing Human, Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn., 1982. Courtesy W.B. Saunders Co., Philadelphia).

Another verse in the Quran (figure 16) reers to the leech-like appearance (figure 5) and the chewed-like stages of human development (figure 6). Another one (figure 17) states that during this chewed stage the embryo has both differentiated and undifferentiated parts. It is well established that the brain and the heart are only partially differentiated at the end of the fourth week when the embryo resembles a chewed substance (figure 6).

After the chewed-like appearance, bones develop which are soon clothed with muscles (figure 18). The bones begin to form in the sixth week and muscles attach to

them shortly after this. By the beginning of the seventh week, the bones give a human shape to the embryo's body (figure 7).

The ears and the eyes begin to form in the fourth week and are clearly visible at six weeks, 42 days after the zygote or *nutfa* forms (figure 19). Sex is not distinguishable at this stage. Is this the basis of the angel's question?

Human features become recognizable about 42 days after the zygote forms (figure 20), but are not distinctively human until the eighth week. Note that the sex of the embryo is not clearly distinguishable at this stage. The external genitalia are not distinctly male or female until the 12th week.

There are other statements in the Quran and sayings in the Hadith about embryology that are meaningless to me, but very likely they will make sense later when new knowledge is developed. The agreement I have found between statements in the Quran and sayings in the Hadith may help to close the gap between science and religion which has existed for so many years.

****

References:

AREY, L.B., *Developmental Anatomy: A Textbook and Laboratory Manual of Embryology.* Revised 7th edn, Philadelphia. W.B. Saunders Co., 1974.

MEYER, A.W., *The Rise of Embryology,* Stanford, Stanford University Press, 1939.

MOORE, K.L., *The Developing Human, Clinically Oriented Embryology,* 3rd edn., Philadelphia, W.B. Saunders Co., 1982.

NEEDHAM, J., *A History of Embryology,* 2nd edn., Cambridge, Cambridge University Press, 1959.

NISHIMURA, H., TANIMURA, T., SEMBA, R. AND UWABE, C., Normal development of early-human embryos: Observation of 90 specimens at Carnegie stages 7 to 13, *Teratology,* 10, 1974.

OPPENHEIMER, J.M., Problems, concepts and their history. In R.H. WILLER, P.A., WEISS AND V. HAMBURGER (edn), *Analysis of Development,* Philadelphia, W.B. Saunders Co., 1965.

O'RAHILLY, R., Guide to the staging of human embryos, *Anat. Anz.,* 130, 556, 1972.

O'RAHILLY, R., *Developmental Stages in Human Embryos. Part A: Embryos of the First Three Weeks (Stages 1 to 9),* Washington, D.C., Carnegie Institute.

STREETER, G.,., Developmental horizons in human embryos: Description of age group XI, 13 to 20 somites, and age group XII, 21 to 29 somites, *Contrib. Embrol. Carnegie Inst.,* 30, 211, 1942.

==========